ایوان

مدیر اعزازی: مجنوں گورکھپوری — ایوان اشاعت گورکھپور

جلد ۳ | جولائی سنہ ۱۹۳۴ء | شمارہ ۱

فہرست مضامین

شرح چندہ

سالانہ	ششماہی	قیمت فی پرچہ	ممالک غیر سے	طلباء سے
للعہ ر	۳ عہ	۸ ر	سے ر سالانہ	سے ر

ایوان

اداریہ

اسی سج دھج سے پھر مجنوں سوے ویرانہ آتا ہے
مبارک نجدیو! کھویا ہوا دیوانہ آتا ہے

آج پورے دو برس کے بعد ایوان کے لئے قلم ہاتھ میں لے رہا ہوں۔ کسی طرح یہ ماننے کو جی نہیں چاہتا کہ اتنی مدت کا جمود بیچ میں حائل ہے۔ لیکن "ایوان" کا نام لیتے ہوئے زبان میں لکنت اور اس کے لئے کچھ لکھتے ہوئے قلم میں جو رکاوٹ پا رہا ہوں اُس سے میرا یہ احساس بہت تیز ہو رہا ہے کہ "ایوان" کے سکتہ کو دو برس کا عرصہ گزر گیا۔

ابھی میں کیوں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا ہوں اور میری طبیعت کیوں رکی ہوئی ہے؟ اسکو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان اسباب کو بھی جان لیں جنکی بنا پر "ایوان" بند کر دیا گیا تھا۔ مگر اس قصۂ دراز کو کوتاہ کرنا بھی آسان کام نہیں۔

گفتی کہ چرا حالِ دلِ خویش نگوئی   من خود کنم آغاز بہ پایاں کہ رسانم

مجھے یاد ہے کہ ایوان کے التوا کا باضابطہ اعلان کرنے سے پہلے میں نے ایک عزیز دوست کو اپنے اس ارادے سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا تھا

ستم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر نہ کہیو تو
کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا

اس اجمال کی تفصیل سنئے! آپ کو یاد ہوگا کہ رسالہ "ایوان" بجائے خود کوئی حیثیت ہمارے لئے نہیں رکھتا تھا۔ اسکو محض ایوان اشاعت کے ماتحت جاری کیا گیا تھا اور ہماری اصل غایت ایوان اشاعت کی توسیع و ترقی تھی جو اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ اردو زبان میں علم و ادب کی اشاعت کرے۔ دسمبر ۱۹۳۱ء تک تو ہماری غرض بڑے بھلے پوری ہوتی رہی اور ہمکو اپنا مستقبل امید افزا معلوم ہوتا تھا اگرچہ دقتوں اور صدموں سے اسوقت بھی سابقے پڑتے رہے "ایوان اشاعت" کا مدار در اصل "ایوان" کے خریداروں پر نہیں تھا بلکہ سالانہ اراکین پر تھا جو ۵ سالانہ ادا کرتے تھے، یا پھر انکو نیز تھا جو یکمشت سو دو سو دیکر عمر بھر کے لئے رکن بن جاتے تھے لیکن جنوری ۱۹۳۲ء میں ہم پر جو کچھ گزری اُسکو دہراتے ہوئے دل میں ایک تنفر پیدا ہوتا ہے اور "ایوان" اور متعلقات ایوان سے طبیعت ہٹنے لگتی ہے۔ کیا آپ یقین کرینگے کہ صرف جنوری کے مہینہ میں چھ سو روپیہ کے وی پی اراکین کے پاس سے واپس آئے۔ جو وی پی رسالہ کے خریداروں و مشترکہ کتابوں کے خریداروں نے واپس کردئے انکا کوئی ذکر نہیں۔ یہ سچ ہے کہ ۳۱ء کا اقتصادی ادبار بہت بڑی حد تک اسکا ذمہ دار تھا لیکن پھر بھی ایوان اشاعت کو اتنے بڑے ناگہانی صدمہ کا اندیشہ کبھی خواب میں بھی نہیں ہوا تھا۔ خریداروں و ممبروں سے بہت پہلے یہ التجا کی گئی تھی کہ اگر ان کو "ایوان" یا "ایوان اشاعت" سے قطع تعلق کرنا ہے تو وہ مطلع کردیں مگر کاہلی اور نسیتی کہاں جاتی جو سارے ملک کے ادبار کی بیک وقت علت بھی ہے اور علامت بھی۔ سوا ایک یا دو کے کسی نے بھی یہ اطلاع

نہیں دی کہ اسکو ہم سے تعلق قائم رکھنا منظور نہیں ہے۔ یہ ایوان اشاعت ہی کا جگر تھا کہ اسپر بھی وہ ہمت نہیں ہارا اور سنہ ۱۹۳۲ء میں نہ صرف انتخاب دیوان شمس تبریز جیسی عظیم الشان کتاب تیار کی بلکہ آٹھ ماہ تک "ایوان" کو اسی اہتمام کیساتھ جاری رکھا میں خود بے انتہا بددل ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے سے بہت سے طلسمی پردے ہٹ چکے تھے تاہم میں اپنی فطرت اور عادت سے مجبور اس کاروبار سے منہ نہ موڑتا جو میرے لئے "کاروباری" ہو کر رہ گیا ہے کم سے کم "ایوان" تو جاری ہی رہتا، اسلئے کہ اتنے اراکین اور خریدار باقی رہ گئے تھے کہ ایوان کا سال پورا کیا جاسکتا تھا، اگرچہ "ایوان" کیساتھ مجھے وہ انہماک نہیں ہوسکتا تھا جو ایوان اشاعت کیساتھ تھا۔ مگر ستمبر کے قریب میری صحت کچھ اسطرح خراب ہوئی کہ میں کچھ فکرمند سا ہوگیا اور اب یہ سوچنے لگا کہ آخر اس لاحاصل محنت اور جانفشانی کو جاری رکھنا کہاں تک جائز ہے جس سے اُلٹے نہ صرف مالی نقصان ہو بلکہ جان کا بھی خطرہ ہو۔ ایوان اشاعت کی ہر دو سالہ زندگی میں سب سے زیادہ میری آنکھوں کو صدمہ پہونچا اور میری نظر پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہوگئی اور آج تک درست نہوسکی، یہ سب دیکھ اور سوچکر میں نے ایوان اشاعت اور ایوان دونوں کو محض ضد اور غصہ میں بند کردیا اور پھر دُنیا کے دوسرے کاموں میں اپنے کو مشغول کرلیا۔

لیکن میں یہ کہہ چکا ہوں کہ میری فطرت اور عادت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس قسم کے کاہلانہ مشاغل جاری رکھوں جنکو اصطلاح عوام میں علم و ادب کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ میں زیادہ مدت تک اپنی بیگانہ وشی کو قائم نہیں رکھ سکا۔ "ایوان" پھر دوبارہ جاری رہیگا۔ ایوان اشاعت کے کاروبار کو بھی شروع کیا گیا ہے لیکن اب کے اسکا دستور العمل آپ بدلا ہوا پائینگے، گزشتہ تجربات کا تقاضا یہ تھا کہ رکنیت کی مد کو یک قلم خارج کردیا جائے اس لئے اس مد کا کوئی اعتبار نہیں۔ اراکین زیادہ تر "خداوندانِ نعمت" کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس طبقہ کا تلون و عدم استقلال مشہور ہے۔ یہ بھی تجربہ ہی کے بعد فیصلہ کیا گیا ہے کہ اب سال میں صرف ایک یا دو علمی یا ادبی کتابیں حسب مقدرت شایع کی جائینگی اور زیادہ تر افسانے شایع ہونگے جن میں کچھ تو ادبی افسانے ہونگے اور کچھ ایسے ہونگے جن میں صرف عوام کے مذاق اور بازار کی مانگ کا لحاظ کیا جائیگا۔ مالی دقتوں کی طرف سے مطمئن ہونے کی یہی ایک صورت ہے اور مالی دقتوں کی طرف سے مطمئن رہنا علم و ادب ہی کی اشاعت کیلئے بہت ضروری ہے۔ ایوان اشاعت کا تفصیلی دستور العمل مفت طلب کرکے ملاحظہ فرمائیے۔

"ایوان" دو سال کے بعد پھر آپکی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں آپ کا کیا خیال ہے۔ مجھے تو اسکے پہلے دور اور موجودہ دور میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ وہی تقطیع، وہی اہتمام ہے۔ مضامین کا عام آہنگ وہی ہے، لکھنے والے وہی ہیں۔ مگر ممکن ہے آپ کو اسکی نوعیت میں کوئی فرق نظر آئے سو اسکو آپ سمجھ لیں گے کہ اس دو سال میں آخر کچھ تو تفاوت ہوا ہوگا۔

رسالہ کی ابتدا جناب رسا کی "داستان یوسف" سے ہوتی ہے جسکو انھوں نے میری فرمائش سے لکھی ہے۔ اس قسم کے قدیم روایات و اساطیر کی تحقیق اور انکا تحفظ ایک قوم کی صحت کی دلیل ہے جس قوم کے پاس اسکے اساطیر و قصص نہیں وہ یقیناً بیمار ہے، ماضیات ہماری اصل پونجی ہیں۔ اگر غور کیجئے تو حال نام ہے ایک نفسی نفسی کا، مستقبل کا

کوئی ٹھکانا نہیں۔ صرف ماضی ایک ایسی چیز ہے جسکو پندار و اعتماد کے ساتھ ہم اپنا کہہ سکتے ہیں۔

دوسرا مضمون قائم چاندپوری پر ہے، ارادہ ہے کہ ہر ماہ اُردو کسی نہ کسی شاعر پر تنقید کا سلسلہ جاری رکھا جائیگا اور پھر وقت آنے پر ہر شاعر کے کلام کا انتخاب کتابی صورت میں شایع کیا جائیگا جسمیں اس مضمون کو شامل کردیا جائیگا، اُمید ہے ارباب قلم اس باب میں ہماری مدد کرینگے۔

"محبت کی فریب کاریاں" وہ افسانہ ہے جو جولائی ۳۲ء میں شروع کیا گیا تھا۔ ابھی اسکو ختم کردیا گیا۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر ایوان بند نہ ہوتا تو اس افسانہ کا کیا خاتمہ ہوتا مگر ہوتا وہی ہوا جو سوقت ہوسکتا تھا۔

آخری مضمون ہمارے مکرم جناب سید کامل حسین صاحب ایم اے کا ہے جو اگرچہ متعلق ہے ایک خاص وقتی مسئلہ سے یعنی قانون اوقاف سے جو آجکل زیر بحث ہے۔ مگر اس تشریعی بصیرت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ مستقل قدر و قیمت کی چیز ہوگیا ہے۔

آئندہ اشاعت میں چند ایسی تحریروں کا ذکر کیا جائیگا جو ایوان کے دوران التوا میں میرے پاس پہونچی تھیں اور جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

مجنوں

تبرکات حسرت

(از جناب مولانا حسرت موہانی)

رئیس الاحرار مولانا حسرت سے میں نے "ایوان" کے لئے تازہ کلام مانگا تھا اور یہ "ایوان" کیلئے باعث صد پندار و افتخار ہے کہ انھوں نے اسکی درخواست کے جواب میں مندرجۂ ذیل پانچ اشعار کی ایک غزل بھیجدی۔ یہ تو پانچ اشعار ہیں، مولانا جس پایہ کے شاعر ہیں اور جس مرتبہ کی شخصیت رکھتے ہیں اور میرے ذہن میں انکی جو منزلت ہے اسکا تقاضا یہ ہے کہ اگر پانچ حرف ان سے میسر ہوجائیں تو انکو بجنسہ شایع کردوں اپنے اسی جذبہ سے مجبور ہوکر میں انکا پورا خط شایع کررہا ہوں جسکو میں واقعی تبرکات حسرت میں شمار کرتا ہوں۔

مجنوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانپور - مورخہ ۱۵ / جون ۱۹۳۴ء - عزیزم - السلام علیکم حسن اتفاق کہ آپ کا خط اس زمانہ میں میرے پاس پہونچا جبکہ عرصہ دراز کے بعد کمی ہوئی۔ پانچ شعر کی ایک غزل میرے پاس موجود تھی وہی بھیجدیتا ہوں :-

غزل حسرت موہانی

بنے وہ رونقِ محفل جس انجمن میں رہے | رہے بہارِ چمن ہو کے جس چمن میں رہے
قریب ہے کہ ترے سوزِ غم سے میرے لئے | بوجہ نور نہ کچھ فرق جان و تن میں رہے
زہے نصیب جو ہو میرے حال کو بھی نصیب | وہ ابتری جو تری زلف پر شکن میں رہے
ادب کا ہے یہ تقاضا کہ تیرے شوق کی بات | سُنے نہ کوئی، مرے دل میں یا دہن میں رہے
جو فیض عشق یہی ہے تو کیا عجب حسرت | کہ امتیاز نہ کچھ شیخ و برہمن میں رہے

فاروق صاحب کو سلام شوق پہونچائیے اور غزل اُنھیں بھی سُنا کر چھاپئے + فقط فقیر حسرت

اساطیر الاولین کا ایک باب

داستانِ یوسفؑ

(از جناب عبدالقیوم رسا)

کلام مجید میں اگرچہ یوسف علیہ السلام کا قصہ تمام قصوں سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ لیکن جیسا کہ کلام مجید کا مخصوص انداز بیان ہے وہ تمام جزئی اور متنازعہ فیہ تفصیلات کو اس خوبی اور حُسن کے ساتھ نظر انداز کر جاتا ہے کہ نفس واقعہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں کیا جا سکتا۔ اول تو ایک ایسی کتاب میں جس کا مقصود صرف حکایت واقعہ نہیں ہے جزئی اور غیر ضروری تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ دوسرے اس میں ایک بڑے فتنہ کا احتمال بھی تھا۔ اگر کسی واقعۂ قدیم کی مسلمہ روایات سے جو اسکی ماننے والی قوم میں مُروّج تھیں کلام مجید صرف جزئیات میں ہی اختلاف کرتا تو ایک طوفان برپا ہو جاتا اور عوام الناس کی تمام توجہ حاصل قصہ سے ہٹ کر انھیں بے کار اختلافات پر صرف ہو جاتیں۔

یہی حال قصۂ یوسف کا بھی ہے مسلمانوں میں اس قصہ کے متعلق جتنی بھی روایات ہیں ان کا ماخذ یا تو انجیل ہے یا کتب یہود "قصص الانبیا" جو اُردو میں غیر تاریخی اقوام کے قصص و حکایات کا مستند مجموعہ سمجھی جاتی ہے تفصیلات کے معاملات میں دوسری ہی قوموں کی روایات کی منت کش ہے۔ مگر قصۂ یوسف جیسا کہ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے بہت سی دلچسپ معلومات سے خالی ہے۔

یوسفؑ کے قصہ میں زلیخا کا کیرکٹر اس قدر ممتاز ہو گیا ہے کہ بعض وقت خود یوسف کا کیرکٹر اسکے سامنے دبتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اسکے زلیخا کی شخصیت پورے طور سے روشنی میں نہیں آئی اور یہ متحقق نہ ہو سکا کہ واقعی اس کا نام کیا تھا۔

بھائیوں کا کیرکٹر بھی قصہ میں کافی دلچسپ ہے اور ایک معنی میں قصہ کی ساری دلچسپی کی ابتدا انھیں کی ذات سے ہوئی۔

اس مضمون کی ترتیب میں زیادہ تر مدد Angelo S. Rappoport کی کتاب Myth and legend of Israel (خرافیاتِ بنی اسرائیل) سے لی گئی ہے۔ اس کے علاوہ انجیل کلام مجید، قصص الانبیاء، تفسیر کبیر اور تفسیر ابو سعود بھی پیش نظر تھیں۔

یوسفؑ راخل کے بطن سے پیدا ہوئے، یعقوبؑ کی پہلی شادی لیاہ سے ہوئی تھی جو راخل کی بہن تھیں۔ یہ دونوں اُنکے ماموں لابن کی بیٹیاں تھیں۔ یعقوبؑ اپنے ماموں کے یہاں

اُن کی بکریاں چرایا کرتے تھے - وہ راخِل کے حُسن پر ایسا فریفتہ ہوئے کہ بیس برس تک لابن کی بکریاں چراتے رہے - جب اُنکے ماموں نے اُن کی شادی لیاہ سے کی تو وہ بہت دلگرفتہ ہوئے کیونکہ ان کو اُمید تھی کہ اُنکی شادی راخل سے ہوگی - چنانچہ وہ اپنے دل کی بات اپنے ماموں پر ظاہر کرنے سے باز نہ رہے - لابن نے یہ شرط پیش کی کہ اگر تم سات برس تک اور میری بکریاں چراؤ تو میں راخل کو بھی تم سے بیاہ دوں - یعقوبؑ نے یہ شرط منظور کی اور بعد اختتام مدت راخل سے شادی کی - شادی کے وقت یعقوب کو اُن کے ماموں نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ دو لونڈیاں بھی دی تھیں جن کے نام زلفہ اور بلہہ تھے -

یعقوبؑ کے کل بارہ اولاد تھی جن کے نام یہ تھے :-

لیاہ سے روبن، شمعون، لاوی، یہودا، اشکار، زبلون -

راخل سے یوسف اور بنیامین -

زلفہ (لیاہ کی لونڈی) سے جد اور آشر -

بلہہ (راخل کی لونڈی) سے دان اور نفتالی -

لیاہ کے بطن سے ایک لڑکی بھی تھی جس کا نام دینہ تھا سوائے بنیامین کے جو کنعاں کے راستہ میں فرات کے کنارے پیدا ہوئے یعقوب کی کل اولادیں لابن کے گھر پیدا ہوئیں جب یعقوب اپنے اہل و عیال کے ساتھ فدان سے کنعاں کی طرف جا رہے تھے تو فرات کے کنارے راخل کو دردِ زہ شروع ہوا اور وہیں بنیامین پیدا ہوئے - بنیامین کا پیدا ہونا راخل کی موت تھا - یعقوبؑ نے راخل کو اسی مقام پر دفن کیا اور اُن کی قبر پر ایک ستون نصب کر دیا -

کنعاں کے راستہ میں جب یعقوب شہر شالم کے قریب پہنچے تو سکم جو حمور کا لڑکا تھا دینہ اُنکی لڑکی کے ساتھ زبردستی فعل بد کا مرتکب ہوا - اسپر حمور اور سکم اور یعقوبؑ کے لڑکوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی - دینہ اور سکم کے اس ناجائز تعلق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام اسناتھ تھا - کتاب پیدائش میں مذکور ہے کہ یوسفؑ نے آون کے کاہن فوطیفرع کی لڑکی اسناتھ نامی سے شادی کی جس سے دو لڑکے منسی اور افرائیم پیدا ہوئے - چونکہ یوسف پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ انھوں نے باوجود راخل کے لڑکا ہونے کے ایک ملحدہ سے شادی کی - یہ قصے تراشے گئے کہ یہ اسناتھ وہی تھی جو دینہ کے بطن سے پیدا ہوئی اور جس کو جبرئیل یا میکائیل دریا میں بہا کر ساحل مصر پر لے گئے اور وہاں فوطیفرع نے اس کو اپنی لڑکی کی طرح پالا - چونکہ اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ آئندہ بحث کی جائیگی لہذا یہاں پر قلم انداز کیا جاتا ہے -

راخل کی وفات کے بعد یوسف کی پرورش اُنکی سوتیلی ماں بلہہ نے کی جو اُن کو اپنے لڑکوں سے زیادہ پیار کرتی تھی - یوسف پر سے آٹھ برس کی عمر میں ماں کا سایہ اُٹھ گیا - لیکن قصص الانبیاء میں ہے کہ ماں کی وفات کے وقت یوسف کی عمر ۵ برس کی تھی، اور یہ اُنکی پرورش یعقوبؑ کی بہن نے کی جو یوسف سے بہت محبت کرتی تھیں -

یوسفؑ کل بھائیوں سے زیادہ باپ کی نظروں میں محبوب تھے - بھائیوں پر یہ بات نہایت شاق گزرتی تھی - اب تک تو وہ یہی سمجھتے تھے کہ اس محبت و شیفتگی کا سبب یوسف کا ملکوتی حسن ہے - لیکن جب اُن کو علم ہوا کہ یوسفؑ باپ سے اُنکی شکایتیں کرتے

ہیں اور عجیب و غریب خواب دیکھتے ہیں تو اُنکی نفرت اور عداوت حسد میں تبدیل ہو گئی

یوسفؑ کے بھائی بھیڑوں پر جن کی وہ چرواہی کرتے تھے بہت ظلم کرتے تھے، اکثر بغیر ذبح کئے ہی اُنھیں کھا جاتے تھے، گلّے کی اچھی طرح رکھوالی نہیں کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بہت سی بھیڑوں کو بھیڑیئے اُٹھائے جاتے تھے۔ اسکے علاوہ برادران یوسف زلفہ اور بلہہ کے لڑکوں کے ساتھ ذلت کا سلوک کرتے اور اُن کو غلام سمجھتے تھے۔ یوسف یہ شکایتیں اپنے باپ سے کرتے۔ لیکن یہ باتیں چھپنے والی نہ تھیں۔ شدہ شدہ بھائیوں کو ان کا علم ہو ہی گیا۔ چنانچہ وہ قدرتاً یوسف سے جلنے لگے۔

جب بھائیوں کی بہت زیادہ شکایتیں یعقوب کو پہونچ چکیں تو ایک دن اُنھوں نے اپنے کل بیٹوں کو بلا کر نصیحت کی جس کا مفہوم یہ تھا:-

"اے میرے پیارے لڑکو! اب میں ضعیف ہوا۔ مرنے کے دن قریب آئے معلوم نہیں کب خدا مجھے اُٹھالے جب میں مر جاؤں تو تم میرا کل مال و متاع آپس میں تقسیم کر لینا تب تم بہت مالدار ہو جاؤ گے۔ لیکن دیکھو اے میرے بیٹو! دولت کا غرور نہ کرنا، اپنے سوتیلے بھائیوں زلفہ اور بلہہ کے لڑکوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا کیونکہ تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ دیکھو میرے مرنے کے بعد میری نصیحتوں کو بھول نہ جانا۔ اور ہاں جب تم کسی جانور کا گوشت کھانا چاہو تو اُسے قانون خداوندی کے مطابق ذبح کر لیا کرو۔ جانوروں کو بہت زیادہ تکلیف نہ دو کیونکہ جو جانوروں کے ساتھ سختی اور ظلم کرتا ہے خدا اُس سے نفرت کرتا ہے۔" (خرافیات بنی اسرائیل)

یوسفؑ کے بھائیوں کو باپ کی یہ غیر متوقع نصیحت بہت عجیب معلوم ہوئی۔ ان کو فوراً گمان گزرا کہ ضرور کسی نہ کسی نے ان کی خاص طور سے شکایت کی ہے۔ اس قیاس کی تصدیق انکے ایک غلام نے یہ کہکر کر دی کہ "ہاں! میں نے ایک دن تمہارے بھائی یوسف کو تمہاری شکایت کرتے سُنا تھا، وہ کہتے تھے کہ تم جانوروں کے ساتھ بے رحمی کرتے اور اپنے سوتیلے بھائیوں کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔"

دشمنی اور حسد کی ایک اور خاص وجہ تھی۔ یعقوبؑ نے یوسف کو ایک مختلف اللون پیراہن دیا تھا عمدہ تھا، اور اس قدر باریک تھا کہ ایک مٹھی میں آجاتا تھا، عبرانی میں اس پیراہن کا نام Passim تھا اور یوسف کی خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا تھا دیا تھا۔ عبرانی میں Passim کے معنے ٹکڑے کے بھی آتے ہیں۔ یوسف کے بھائیوں نے رؤیا کے ذریعہ معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ زمانہ میں یوسف کے معجزات سے بحر احمر دو ٹکڑوں میں منقسم ہو جائیگا۔

ان اسباب پر مستزاد یوسف کے عجیب و غریب خواب تھے جنھیں بھائیوں سے کہنے سے وہ باز نہیں آتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بھائی ان سے جلتے ہیں مگر پھر بھی اپنا خواب ان سے ضرور بیان کرتے۔

ایک دن جب سب بھائی جمع تھے یوسف نے انکو مخاطب کر کے کہا "جس طرح ایک دن خدا کا رسول تمہاری اولاد سے درخواست کریگا کہ اے لوگو میں جو خدا کی بات کہتا ہوں سُنو

اُسی طرح آج میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میرا ایک خواب سُنو۔ وہ خواب یہ ہے کہ ہم سب بھائی پھل جمع کر رہے ہیں۔ اور تمہارے پھل تو سڑ گئے لیکن میرے تروتازہ ہیں۔"

بھائیوں کو اس خواب کی تعبیر خوب معلوم تھی کہ ایک دن یوسف کو بہت بڑا مرتبہ ملنے والا ہے اور وہ اُن کے اوپر حکمرانی کرے گا۔ لیکن اُنھوں نے بہانہ کیا کہ ان کو اس خواب کی تعبیر نہیں معلوم۔ لیکن جو بات اُنکے دل میں تھی اُس کا اظہار اُن کی حسد اور دشمنی نے کرا ہی دیا، کیونکہ اُنھوں نے از راہِ تمسخر یوسف سے پوچھا کہ کیا واقعی تو ہمارے اوپر حکومت کریگا؟ -

یوسف نے اپنا خواب یعقوب سے بھی بیان کیا، اور انھوں نے فرطِ مسرت سے بیٹے کو گلے لگالیا۔ کیونکہ وہ اس خواب کی تعبیر سے اچھی طرح واقف تھے۔

اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد یوسف نے ایک دوسرا خواب دیکھا۔ یہی وہ خواب ہے جس سے یوسف کا قصہ کلام مجید میں شروع ہوتا ہے اور اہمیت کے لحاظ سے واقعی یہی خواب یوسف کی پُراز واقعات زندگی کا آغاز ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے خواب یہ تھا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے یوسف کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعقوبؑ یہ خواب سُن کر بہت خوش ہوئے۔

یعقوبؑ کو حیرت تھی کہ چاند سے کون مُراد تھا۔ یہ تو مسلّم تھا کہ چاند یوسف کی ماں کے لئے آیا تھا لیکن راحل کا انتقال عرصہ ہوا ہو چکا تھا۔ اس لئے انھوں نے یوسف سے ملامت آمیز لہجہ میں پوچھا "تو نے کیسا خواب دیکھا ہے کیا حشر و نشر ہمارے ہی زمانہ میں ہونے والا ہے، کیونکہ قیامت میں ہی تیری ماں کا قبر سے اُٹھنا ممکن ہے۔" یعقوبؑ کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ چاند سے مراد بلہہ تھی جس نے یوسف کو حقیقی ماں کی طرح پالا تھا۔ باوجود اسکے یعقوبؑ نے یوسف کے خواب کی تعبیر صحیح بتائی کہ ایک دن وہ بہت بڑا آدمی ہوگا۔ چونکہ ان کو معلوم تھا کہ بھائی یوسف سے عناد رکھتے ہیں، انھوں نے یوسف کو منع کر دیا تھا کہ خبردار! وہ اس خواب کا ذکر بھائیوں سے نہ کرے۔

اسی زمانہ میں یوسف کے بھائی اپنی مویشیاں چرانے سکم کے مرغزاروں میں لے گئے تھے۔ وہ عرصہ تک گھر واپس نہیں آئے اس لئے یعقوب کو فکر پیدا ہوئی کہ معلوم نہیں وہ کس حال میں ہوں ان کو اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے حمور اور سکم کا انتقام لینے کیلئے حویوں = HIVITES نے ان پر حملہ کر دیا ہو۔ اس لئے انکی خبر لانے کے لئے انھوں نے اپنے عزیز بیٹے یوسف کو بھیجنا چاہا۔ لیکن وہ ڈرے کہ مبادا بھائی ان کے ساتھ کوئی بُرا سلوک کریں۔ یوسف اگرچہ بھائیوں کی نیت سے واقف تھے لیکن باپ کی اطاعت کے جذبہ سے متاثر ہو کر چلے گئے۔ (خرافیات بنی اسرائیل)

مگر کلام مجید میں واقعہ اسکے برعکس ہے۔ یوسف اپنے بھائیوں کی خبر لینے نہیں گئے تھے بلکہ بھائی خود ان کو باپ سے اجازت لیکر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

انجیل کتاب پیدائش میں بھی یوں ہی مذکور ہے:۔

"اور اُسکے بھائی اپنے باپ کے گلّے چرانے سکم کو گئے"

"تب اسرائیل (یعقوب) نے یوسف کو کہا کہ تیرے
"بھائی سکم میں نہیں چراتے ہیں، آ میں تجھے اُنکے پاس
"بھیجوں، اُس نے اُس سے کہا کہ جائے اپنے بھائیوں
"اور گلوں کو سلامت دیکھے اور مجھ پاس خبر لائے، سو
"اُس نے حبرون کی وادی سے بھیجا اور وہ سکم میں
"آیا۔"

صحیفۂ تالمود اور انجیل اس روایت میں متفق ہیں۔ اختلاف صرف کلام مجید کرتا ہے، نتیجہ کے اعتبار سے ہرچند یہ جزئی اختلاف کچھ اہم نہیں ہے۔ تاہم اختلاف ہے۔ کلام مجید میں نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ بھائیوں کے اس کہنے پر کہ:۔

یا ابانا مالک لا تأمنا علی یوسف وانا له لناصحون ۝ ارسله معنا غدا یرتع ویلعب وانا له لحافظون ۝

یعقوب کا جواب کہ:۔

انی لیحزننی ان تذهبوا به واخاف ان یاکله الذئب وانتم عنه غافلون ۝

بغیر کسی تاویل کے یہی مطلب رکھتا ہے کہ بھائیوں ہی نے یوسف کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔

اب یہ سوال کہ ان دونوں روایتوں میں سے کون صحیح ہے ذرا مشکل ہے۔ ان تین ماخذوں کے علاوہ اس قصہ کا کوئی اور ماخذ نہیں ہوسکتا۔ اور ان میں سے دو متفق ہیں اور ایک مختلف تاہم یہ امر قابل غور ہے کہ یعقوب ؑ بھائیوں کی دشمنی کا علم رکھتے ہوئے یوسف کے ساتھ ایسا ظلم جائز نہیں رکھ سکتے تھے۔ ان سے اس بات کی توقع رکھنا کہ انھوں نے خود یوسف کو بھیڑیوں کے پاس بھیجا ہوگا بعید از قیاس و مصلحت معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ جب بھائیوں نے جو یوسف کی ایذا رسانی کے درپے تھے اور آپس میں منصوبے باندھ چکے تھے باپ سے درخواست کی ہوگی کہ "اے والد بزرگوار! آپ یوسف کے بارے میں ہم پر کیوں بھروسہ نہیں کرتے اس کو ہمارے ساتھ جانے دیجئے تاکہ وہ جنگل میں کھیلے کودے اور جی بہلائے" تو انھوں نے کہا ہوگا کہ "مجھے اسکو تمہارے ساتھ بھیجتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو تم لوگ بھول جاؤ اور اسکو بھیڑیا کھا جائے" اور پھر بیٹوں کے اطمینان دلانے پر بادلِ ناخواستہ راضی ہوگئے ہوں۔

الغرض جب یوسف جنگل میں بھائیوں کے پاس پہونچے تو وہ یکایک ان پر ٹوٹ پڑے، خوب خوب مارا، کپڑے پھاڑ ڈالے اور ننگا کرکے ایک تیرہ و تار کنوئیں میں ڈال دیا۔ یوسف گریہ و زاری کرتے رہے لیکن بے رحم بھائیوں کا کلیجہ نہ پسیجا۔ کنوئیں میں ڈال کر سب بھائی تھوڑی دور جا کر بیٹھے، اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اُنھیں یوسف کے بارہ میں کیا کرنا چاہئے۔ قریب قریب سب اس بات پر متفق ہوگئے کہ انھیں کنوئیں سے نکال کر قتل کر دیا جائے۔ اس رائے میں شمعون سب بھائیوں سے پیش پیش تھا۔ لیکن خدا نے یہودا کے دل میں رحم ڈالا، وہ سب میں عقلمند سمجھا جاتا تھا اور سب اسکا کہنا بھی

ملتے تھے، اُس نے بھائیوں سے کہا:۔
"کیا ہم قتل برادر جیسے سفیہانہ اور شرمناک فعل کا ارتکاب کرنے والے ہیں درانحالیکہ ہم خدا سے اُسکی رحمت اور فضل کے طالب بھی ہیں، کیا ہماری مثال اس ڈاکو کی نہیں ہے جو عبادت کے وقت بھی خدا کی ذات سے تمسخر و استہزاء کرتا ہو ایک بھائی کو قتل کر کے ہم کیا پائینگے۔ کیا خدا کا قہر و عتاب ہم پر نازل نہ ہوگا؟۔ سُنو! میں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ وہ دیکھو سامنے بنی اسمٰعیل کا ایک قافلہ مصر کو جا رہا ہے۔ آؤ ہم وہی کیوں نہ کریں جس کی نظیر ہمارے اسلاف میں موجود ہے۔ جب کنعان بن حام اپنے اعمال بد کی پاداش میں غلام بنایا گیا آؤ ہم یوسف کو اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بطور غلام کے فروخت کردیں وہ اسکو صحرا کے اس کنارے ایسی غیر معلوم جگہ لے جائیں گے جہاں سے اُسکی خبر بھی کبھی ہمارے باپ کو نہ ملے گی۔ چنانچہ بھائی یہودا کی اس تجویز سے متفق ہوگئے۔

لیکن قبل اسکے کہ اسمٰعیلی قریب آئیں مدین کے سوداگر پانی کی تلاش میں اُس کنوئیں کی طرف سے گزرے، اُنکے کانوں میں کسی لڑکے کے رونے کی آواز آئی، اُنھوں نے نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ کچھ شکاری پرندے ایک مقام پر منڈلا رہے ہیں۔ اُن کو خیال گزرا کہ ہو نہو وہاں پر پانی ہے۔ چنانچہ وہ کنوئیں پر گئے، اندر جھانکا تو دیکھا کہ ایک فرشتہ صورت لڑکا مغموم بیٹھا ہے وہ یوسف کو کنوئیں سے نکال کر اپنے ساتھ لے چلے کہ ناگاہ برادران یوسف سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ بھائیوں نے یوسف کو دیکھ کر پوچھا۔ "یہ ہمارا غلام ہے تم لوگ اسے کہاں لیجا رہے ہو۔" اسپر اہل مدین ہنسنے لگے اور ان میں سے ایک نے کہا۔ "تم کیا بکتے ہو۔ کہیں ایسا حسین و جمیل لڑکا تمھارا غلام ہوسکتا ہے تم ذرا اپنی صورتیں تو دیکھو، تم تو خود اس کے غلام معلوم ہوتے ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سازش کر کے اپنے آقا کی جان لینا چاہتے ہو، ہم نے اسے کنوئیں میں پایا ہے اور ضرور لیجائینگے۔" بھائیوں نے دھمکی دی "اگر تم اس غلام کو واپس نہ دوگے تو ہماری تلواریں ابھی نیام سے باہر نکل آئینگی اور تم اپنے تئیں تلواروں کے حلقہ میں پاؤگے۔"

اس پر اہل مدین نے بھی اپنی تلواریں سونت لیں۔ شمعون تلوار لئے میدان میں کود آیا اور مبارزت طلبی کے لہجہ میں فخریہ پکار پکار کر کہنے لگا "اے اہل مدین! تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں شمعون بن یعقوب عبرانی ہوں۔ میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کے نام سے سارا کنعان کانپتا ہے۔ یاد رکھو کہ تم اور تمھارے ساتھی سب ایک ایک کر کے میری تلوار کی بھینٹ چڑھ جاؤگے۔ فوراً ہمارا غلام ہمیں واپس کردو ورنہ یاد رکھو تمھاری لاشیں اسی جگہ پھڑکتی نظر آئینگی۔

چنانچہ اہل مدین نے دفع شر کے خیال سے عاجزانہ لہجہ میں کہا "کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ ہم نے اس غلام کو نافرمانی کی پاداش میں کنوئیں میں ڈال دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ایک نافرمان غلام تمھارے کس کام آئیگا؟ بہتر ہے کہ تم اسے ہمارے ہاتھ بیچ دو۔" اہل مدین یوسف کو خریدنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ایسا خوبصورت غلام ایک بڑی دولت تھا۔ بھائی تو یہی چاہتے ہی تھے چنانچہ انھوں نے یوسف کو اہل مدین کے ہاتھ بیس درم میں بیچ ڈالا

قرآن نے یوسف کے کنوئیں سے نکالے جانے اور فروخت ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

وجاءت سيارة فارسلوا واردهم فادلى دلوه قال يابشرى هذا غلام واسروه بضاعة والله عليم بما يعملون ٥ وشروه بثمن بخس دراهم معدودة وكانوا فيه من الزاهدين ٥

ترجمہ" اور وارد ہوا (وہاں پر) ایک قافلہ، پس بھیجا انھوں (اہل قافلہ) نے اپنا سقہ۔ جب اس نے ڈالا اپنا ڈول تو (اسکے اندر ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھ کر) چلایا اسے ہے یہ تو ایک لڑکا ہے، اور اسکو چھپا رکھا ان لوگوں نے مال تجارت بنا کر، اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں اور انھوں نے بیچا اسکو محض چند درہموں کے عوض کیونکہ وہ اس سے برگشتہ خاطر ہو رہے تھے۔

اس عبارت سے یہ ہرگز نہیں کھلتا کہ شروہ (جو اس جگہ باعوہ کے معنی میں مستعمل ہوا ہے) کے فاعل برادران یوسف ہیں۔ ٹھیک اس سے قبل کی آیت میں اسروہ کی ضمیر فاعلی اہل قافلہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی یوسف کو ان کے بھائیوں نے اہل مدین کے ہاتھ فروخت نہیں کیا بلکہ آخر الذکر نے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچا۔ اور انکے برگشتہ خاطر ہونے کا سبب یہ تھا کہ وہ ڈرتے تھے" ایسا حسین وجمیل لڑکا کبھی غلام نہیں ہو سکتا، ضرور ہے کہ یہ کوئی عالی خاندان ہے جس کا بیچنا بہت ممکن ہے ہمارے لئے مشکلات کا باعث ہو"۔ چنانچہ انھوں نے جو قیمت بھی مل سکی اسپر یوسف کو اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

قصص الانبیاء میں بھی یہی روایت مذکور ہے کہ بھائیوں نے اہل مدین کے ہاتھ ۱۸ درم میں یوسف کو بیچا، اور اہل مدین نے جا کر مصر میں بیچا۔ اسمٰعیلیوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

انجیل کتاب پیدائش میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"تب یہودا نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا؟ آؤ اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور گوشت ہے، اور اسکے بھائی راضی ہوئے اور اسوقت مدیانی سوداگر ادھر سے گزرے سو انھوں نے یوسف کو کھینچ کر کنوئیں سے باہر نکالا اور اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیس روپئے (درم) کو بیچا اور وہ یوسف کو مصر میں لائے"

مذکورۂ بالا حوالہ سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ یوسف کو بھائیوں نے نہیں بیچا اگرچہ انھوں نے ایسا کرنے کا آپس میں مشورہ کر لیا تھا اور وہ راضی ہو چکے تھے۔

مفسرین کے نزدیک بھی یہ گتھی لاینحل ہی رہی۔ امام رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں اسروہ کی ضمیر کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

الضمیر فی واسروہ الی من یعود فیہ قولان (الاول) انہ عائد الی الوارد واصحابہ اخفوا من الرفقۃ انھم وجدوہ فی الجب و ذلک لانھم قالوا ان قلنا للسیارۃ التقطناہ

مشارکونا فیہ وان قلنا اشتریناہ سالونا الشرکۃ فالاصوب ان نقول ان اہل الماء جعلوہ بضاعۃ عندنا علی ان نبیعہ لہم بمصر (و الثانی) نقل عن ابن عباس انہ قال واسروہ یعنی اخوۃ یوسف اسروا شانہ والمعنی انہم اخفوا کونہ اخا لہم بل قالوا انہ عبد لنا ابق منا وتابعہم علی ذلک یوسف لانہم توعدوہ بالقتل بلسان العبرانیۃ و الاول اولی لان قولہ واسروہ بضاعۃ یدل علی ان المراد انہم اسروہ حال ما حکموا بانہ بضاعۃ وذلک انما یلیق بالوارد ولا باخوۃ یوسف

اسی طرح شروہ کے تحت میں بھی دو قول ہیں۔ لیکن ان میں بھی دوسرے ہی قول کو ترجیح ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں:۔

ثم قال تعالی وشروہ بثمن بخس دراہم معدودۃ اما قولہ شروہ ففیہ قولان (الاول) المراد من الشراء ہو البیع وعلی ہذا التقدیر ففی ذلک البائع قولان (الاول) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ان اخوۃ یوسف لما طرحوا یوسف فی الجب رجعوا عادوا بعد ثلاث یتعرفون خبرہ فلما لم یروہ فی الجب ورأوا آثار السیارۃ طلبوہم فلما رأوا قالوا ہذا عبدنا ابق منا فقالوا لہم فبیعوہ منا فباعوہ منہم والمراد من قولہ وشروہ ای باعوہ یقال شریت الشیٔ اذا بعتہ وانما وجب حمل ہذا الشراء علی البیع لان الضمیر فی قولہ وشروہ وفی قولہ وکانوا فیہ من الزاہدین عائد الی شیٔ واحد لکن الضمیر فی قولہ وکانوا فیہ من الزاہدین عائد الی الاخوۃ فکذا فی قولہ وشروہ یجب ان یکون عائدا الی الاخوۃ واذا کان کذلک فہم باعوہ فوجب حمل ہذا الشراء علی البیع (و القول الثانی) ان بائع یوسف ہم الذین استخرجوہ من البئر۔

اور ابو سعود میں ہے:۔

(واسروہ) ای اخفاہ الوارد واصحابہ عن بقیۃ الرفقۃ وقیل اخفوا امرہ ووجدانہم لہ فی الجب وقالوا لہم دفعہ الینا اہل الماء لنبیعہ لہم بمصر (وشروہ) ای باعوہ والضمیر للوارد واصحابہ

اس قرینہ کی تصدیق کہ یوسف کو بھائیوں نے نہیں بیچا بلکہ قافلہ والوں نے خود کلام مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وجاؤا اباہم عشاء یبکون قالوا یا ابانا انا ذہبنا نستبق وترکنا یوسف عند متاعنا فاکلہ الذئب وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین وجاؤا علی قمیصہ بدم کذب۔

یعنی رات کے وقت وہ (بھائی) روتے ہوئے

اپنے باپ کے پاس آئے اور کہا کہ اے ہمارے باپ! ہم تو دوڑ رہے تھے اور یوسف ہمارے اسباب کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا اور (ہم جانتے ہیں کہ) آپ ہماری بات کا اعتبار نہ مانیں گے اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ کہتے ہوں۔ اور وہ لگا لائے (یوسف کے) قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون۔"

یہ آیت یوسف کے کنوئیں میں ڈالے جانے اور اُسمیں سے نکال کر بیچے جانے کے بیچ میں بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر گھر چلے گئے۔

اس خیال کی تصدیق انجیل سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اور یہی صحیح اور قرین واقعہ معلوم ہوتا ہے۔

لیکن برخلاف اس کے تالمود میں نہایت وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ بھائیوں نے یوسف کو اہل مدین کے ہاتھ بیچا اور نہ صرف ایک بار بلکہ دو دو بار، اور وہ یوں کہ جب ایک بار بیس درم قیمت پا چکے اور اہل مدین یوسف کو لے چلے تو انھوں نے دیکھا کہ یوسف کپڑے پہنے ہوئے ہیں، حالانکہ کنوئیں میں ڈالنے کے وقت انھوں نے ننگا کر دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے مدیانی سوداگروں سے کہا کہ "ہم نے تو اس غلام کو تمھارے ہاتھ ننگا بیچا تھا ہمیں اسکے کپڑے واپس کر دو"۔ پہلے تو سوداگروں نے انکار کیا لیکن پھر کپڑے کے عوض چار جوڑے جوتے دئے اور یوسف وہی حلۂ آسمانی پہنے ہوئے مصر گئے یوسف اس پیراہن کو بحالت غلامی بھی پہنے تھے اور اُسوقت بھی جب قید خانہ میں ڈالے گئے، یہی پیراہن اسکے جسم پر اُسوقت تھا جب وہ فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے اور اُسوقت بھی جب وہ تخت مصر پر بیٹھے۔

اہل مدین یوسف کو لے کر جلعاد کی طرف روانہ ہوئے ان کے دل میں سیکڑوں اندیشے گزر رہے تھے کہ ایسا خوبصورت لڑکا غلام نہیں ہو سکتا۔ بھائیوں کی بدسلوکی، اُن کا اتنی حقیر رقم قبول کرنا بیشک ثابت کرتا ہے کہ یہ لڑکا غلام نہیں۔ اس لئے وہ ڈرے مبادا ان پر انسانی چوری کا الزام نہ عائد کیا جائے۔ لہذا وہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی نہ کسی طرح یوسف سے اپنا گلا چھڑائیں۔ چنانچہ انھوں نے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیس درم میں بیچ ڈالا۔

اسمٰعیلی عام طور چمڑے وغیرہ کی تجارت اور باربرداری کیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ اتفاق سے اُنکے اونٹوں پر گرم مصالحہ، روغن بلسان اور دوسری خوشبودار چیزیں لدی تھیں اس لئے یوسف کا دماغ چمڑے کی بدبو سے پراگندہ نہیں ہوا بلکہ مصر تک انکی مشام جاں روح افزا خوشبو سے معطر اور تروتازہ رہی۔

قدرتی طور سے یوسف کو فراق وطن اور باپ کے چھٹنے کا غم تھا اور وہ اس غم میں رو رہے تھے۔ اسمٰعیلیوں نے خیال کیا شاید اونٹ پر بیٹھے بیٹھے تکلیف ہو رہی ہے اسلئے انھوں نے نیچے اُتار دیا۔ اب یوسف کو دوگونہ رنج تھا اور وہ بلک بلک کر رونے لگے۔ اہل قافلہ کے تسلی دینے پر بھی جب انکا گریہ بڑھتا ہی گیا تو اُنھوں نے خوب خوب مارا، جتنا یوسف روتے اُتنا ہی اُن کے آقا اُنھیں مارتے۔

خدا کو یوسف کی یہ مصیبت اور گریہ وزاری دیکھکر

جلال آگیا اور اُس وقت اُس نے ایک نہایت زہرہ گداز تاریکی سے دُنیا کو محیط کر دیا، اسمٰعیلی اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ ایک قدم چلنا اُنکے لئے دُشوار ہو گیا - وہ ایک دوسرے سے پوچھتے "آخر یکایک اس ظلمت و ہول کا سبب کیا ہے؟" مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ قہر خدا ہے جو اُنکے ظالمانہ برتاؤ کی وجہ سے نازل ہُوا ہے - آخر وہ چلتے چلتے فرات کے کنارے پہونچے جہاں راحیل یوسف کی ماں دفن تھیں -

---

یوسف کو بیچکر (یا کنوئیں میں ڈال کر) جب بھائی مکان کو واپس ہوئے تو اُنکے ضمیر نے اُنھیں اُن کے اس فعل شنیعہ پر ملامت کرنا شروع کی - نفرت و عداوت کے جوش سے اندھے ہو کر تو وہ ایسی حرکت کر گزرے جو ایک پیغمبر کی اولاد کو ہرگز سزاوار نہ تھی - لیکن جب سکون ہوا تو وہ بہت ہی شرمندہ اور منفعل ہوئے - مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا اب بجز تاسف و حسرت کے کچھ نہیں ہو سکتا تھا - وہ پریشان ہوئے کہ باپ کو کیا جواب دیں گے - آخر مشورہ کیا کہ بھیڑیا کے کھانے کا بہانہ تراشا جائے - اشکار نے تدبیر بتائی کہ یوسف کے قمیص کو پھاڑ کر بھیڑیے کے خون میں آلودہ کر دیا جائے اور باپ سے کہا جائے کہ "یوسف کو بھیڑیا کھا گیا - اس کا خون آلود قمیص ہم کو پڑا ملا ہے جو آپ کے پاس لائے ہیں" پس اُنھوں نے ایک بھیڑ ذبح کی اور یوسف کا قمیص خون میں شرابور کر کے بلہہ اور زلفہ کے لڑکوں کو اس ہدایت کے ساتھ دیا کہ وہ لے جا کر یعقوب کو دیں اور کہیں "جب ہم اپنی بھیڑیں سکم کے قریب چرا رہے تھے تو ہمیں یہ خون آلود قمیص جنگل میں پڑا ہوا ملا -

یعقوب نے جب اپنے عزیز بیٹے کا کُرتا پہچانا تو کلیجہ میں ایسا سخت دھکا لگا کہ وہ بیہوش ہو گئے - جب ہوش میں آئے اور گریہ و بکا سے ذرا فرصت ملی تو ایک کو یوسف کے بھائیوں کو بُلانے کیلئے بھیجا - شام کے وقت باقی لڑکے جامہ دریدہ اور برسر خاک نہادہ بین و بکا کرتے باپ کے پاس آئے - یعقوب نے اس حادثہ جانکاہ کی تفصیل پوچھی تو اُنھوں نے کہا "آج ہم سکم کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں یہ قمیص پھٹا ہوا اور خون آلود ہمکو ملا - ہم دیکھتے ہی پہچان گئے یہ ہمارے بدنصیب بھائی یوسف کا ہے مگر بنظر اطمینان آپ کے پاس بھجوا دیا تاکہ آپ بھی پہچان لیں کہ واقعی یہ یوسف کا ہی" (باقی)

انتخاب کلام ہوس

مرسلہ جناب اختر موہانی

گئے جی سے تو فائدہ اتنا ہوا غمِ عشق کا رنج و محن نہ رہا
دلے کاوشِ دستِ جنوں یہ رہی کہ موئے پہ بھی تارِ کفن نہ رہا

کوئی مونسِ بیکسی جب نہ ملا تو غزالِ رمیدہ سے انس کیا
ہمیں بے وطنی نے دیا یہ مزا کہ ذرا بھی خیالِ وطن نہ رہا

ترے عشق میں اسکو ہوا جو جنوں بہ اشک کی جا بہا آنکھوں سے خوں
ترے غم نے کیا اسے زار و زبوں کہو تن سے وہ حسنِ دمن نہ رہا

ملے رہ میں مجھے ہوئے دستِ بغل لگے کہنے کہ تو مرے گھر ہی میں چل
تمھیں یاد ہے مجھ سے جو کہتے تھے کل وہ زبان رہی نہ دہن نہ رہا

یہی آن تھی سب کی کہا سو کیا، سبھی کرتے تھے وعدہ پہ اپنی وفا
وہ چلن جو قدیم زمانہ میں تھا ترے عہد میں عہد شکن! نہ رہا

تری زلف کی بو کو جو لے کے صبا گئی ملکِ ختن میں ذرا وہ خطا
اُنھیں شوق جو دید کا اُس کی ہوا کوئی آہو بدشتِ ختن نہ رہا

مجھے وصل میں غم تھا نہ ایک نفس نہیں کرتا تھا نالہ برنگِ جرس
مجھے غم ہے تو بس یہی غم ہے ہوس اُسی چال پہ چرخِ کہن نہ رہا

یاد آیا مہِ جوانی یادِ ہنگامِ بہار
کیسی کیسی دل میں تھی سیرِ چمن کی آرزو

کم کرو ذکرِ جوانی مانو میری بات کو
منع ہے دن کو کہانی خواب کہنا رات کو

دیکھ ہنستے گل کو گلشن میں لگا رونے ہوس
آ گیا کیا جی میں بیٹھے بیٹھے تجھ کو کیا ہوا

اس چمن میں دہر کے آخر نہ تھا گل کو ثبات
دو گھڑی کے واسطے بدنام کیوں گلچیں ہوا

پھر بہار آئی ہوئی دیوانوں میں وحشت بپا
پھر سرِ ہر خارِ صحرا سے جنوں رنگیں ہوا

ضبطِ گریہ کر ہوس آگے ہے عرش او بے ادب
اشکِ خونیں سے تو دامانِ شفق رنگیں ہوا

ہم سے وارفتۂ الفت ہیں بہت کم پیدا
ہاتھ سے کھو نہ ہمیں ہونگے نہ پھر ہم پیدا

میں بھی ہوں باعثِ ایجادِ ہوس اک شے کا
میرے خاطر مرے خالق نے کیا غم پیدا

اُس نے تو نہ چاہا تھا کہ چاہوں اُسے اس طرح
میں نے ہی ہوس جان کو اک روگ لگایا!

جس طرف ہم نے بھر نظر دیکھا
تجھ کو ہر شے میں جلوہ گر دیکھا
رنگ رواے بہار حسن ترا
رشکِ گل غیرتِ قمر دیکھا!

آ گیا جی میں جی کبھو اُس نے
نگہِ لطف سے اگر دیکھا
وادیِ عشق ہے بلا جس میں
ہر قدم جان کا خطر دیکھا!

آہنگِ تپش

(از کوکب شاہجہانپوری)

نہ بہار جاودانی نہ خزاں ہے جاودانی
یہ ہے صبحِ زندگانی وہ ہے شامِ زندگانی

کس امید پر اُٹھاؤں یہ عذابِ سخت جانی
وہ سُنیں گے، اور مجھ سے مرے درد کی کہانی

یہ فسردہ زندگانی بھی ہے کوئی زندگانی
نہ وہ جوشِ رنج و غم ہے نہ وہ کیفِ شادمانی

کوئی بات کیا بنائے، کوئی حال کیا چھپائے
کہ عیاں ہے رنگِ رُخ سے تپشِ غمِ نہانی

مرے دل کا پوچھنا کیا کہ خیال و خواب ہے اب
وہ سُرورِ کامیابی وہ نشاطِ کامرانی

یہ زمانہ نہ جوانی، یہ فسردگی، یہ حسرت
نہ مذاقِ عیش کوشی نہ دماغِ شادمانی

وہ ہمیشہ دوسروں سے مرا حال پوچھتے ہیں
یہ کہاں کی دوستی ہے، یہ کہاں کی مہربانی

دلِ غم نصیب پر ہے غمِ بے سبب کی یورش
یہ نہایتِ محبت! یہ کمالِ بدگمانی

مری بیخودی بھی کوکب ہے گزارشِ تمنّا
یہ نگاہِ بے نگاہی یہ زبانِ بے زبانی

قائم چاندپوری

کوئی دس بارہ سال کا عرصہ گزرا کہ میں اپنے عزیز دوست پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ دن اور سن وہ تھے جبکہ "کار وبار شوق" کی فرصت ہر شخص کو ہوتی ہے۔ مجھے بھی اس زمانے میں ذوق اور فرصت دونوں کی فراوانی میسر تھی۔ فراق صاحب کے مکان پر صبح سے شام کر دیتا تھا، اور صحبت سے سیری نہیں ہوتی تھی، سارا وقت شعر و سخن میں گزر جاتا تھا، نہ زبان رُکتی تھی اور نہ طبیعت اُکتاتی تھی، غرضکہ کچھ عجیب دُھن تھی اور عجب انہماک تھا۔

جس دن کا ذکر کر رہا ہوں اُس دن جہاں اور شاعروں کے چیدہ اشعار پڑھے گئے وہاں یہ شعر بھی پڑھا گیا:-

بے دماغی سے نہ اُس تک دلِ رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حُسن سے بھی دور گیا

اُس دن یہی شعر حاصلِ صحبت رہا، گھنٹوں سر دُھنتے رہے اور اس کیفیت کا اندازہ اور تجزیہ کرتے رہے۔ لاکھ زور دیتے تھے مگر اس قبیل اور اس انداز کا کوئی دوسرا شعر یاد نہیں آتا تھا۔ قائم کے نام و نشان سے ہم لوگ ناواقف نہ تھے لیکن قائم کا کوئی شعر قائم کے نام سے اب تک نہ مجھے یاد تھا، نہ شاید فراق صاحب کو۔ اب تک ہم لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ قائم متقدمین میں اچھے شاعر گنے جاتے تھے۔ لیکن انکے مرتبۂ شاعری کا صحیح اندازہ سب سے پہلے اسی شعر سے ہوا۔

اسی تاریخ سے مجھے قائم کا کچھ سودا سا ہو گیا۔ جو تذکرہ سامنے آتا اُس میں سب سے پہلے قائم کے اشعار ڈھونڈھتا اس طرح اُنکے اشعار کی ایک اچھی خاصی بیاض تیار کر لی۔ لیکن تشنگی باقی رہ گئی۔ ہندوستان میں ہر طرح کے ادبار کیساتھ ادبی ادبار بھی اپنی انتہا کو پہونچا ہوا ہے۔ بالخصوص جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے۔ قائم جیسے شاعر کا دیوان اب تک شایع نہ ہونا اسکی بین دلیل ہے۔ دیوان قائم کے صرف گنتی کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ حیدر آباد سے یہ دیوان چھپنے والا تھا مگر اب تک شاید اسکی نوبت نہیں آئی۔ حالانکہ "دیوان قائم" کو "دیوان یقین" پر مقدم سمجھنا چاہئے تھا۔ ممکن ہے حائلات و موانع ایسے ہوں کہ تقدیم و تاخیر کا صحیح لحاظ نہ رکھا جا سکا ہو۔

سنہ ۱۹۲۶ء سے سنہ ۱۹۲۹ء کے اوائل تک میرا اور سید امتیاز علی اشرفی مرحوم کا چولی دامن کا ساتھ رہا۔ وہی امتیاز جو سنہ ۱۹۳۰ء کی نمک کی شورش میں جان سے گزر گئے۔ مرحوم کو بھی متقدمین کے ساتھ بے انتہا شغف تھا جب انھوں نے قائم کے چند اشعار میری زبان سے سُنے تو اُنکو بھی قائم کے ساتھ گرویدگی پیدا ہو گئی اور میری طرح وہ بھی قائم کے اشعار

ڈھونڈھنے لگے۔

اسی سلسلہ میں دو تین اور ایسے اردو شعراء ہماری نظر سے گذرے جو باوجود اسکے کہ ان کے کلام اردو غزلگوئی کے بہترین نمونوں میں شمار کئے جاسکتے معرضِ گمنامی میں پڑے رہ گئے۔ یعنی ان کی شاعری کا چرچا عام نہ ہوسکا۔

مطالعہ اور موازنہ کے بعد ہم لوگ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اردو شاعروں میں کم سے کم چار شعراء ایسے ہیں جن کو بلا مبالغہ میر اور درد کے ساتھ صفِ اول میں جگہ ملنی چاہئے۔ اُس زمانہ میں میر، درد اور سودا کا ڈنکا کچھ اس طرح بجا کہ ان بیچاروں کی آواز پر کسی نے کان بھی نہ دیا۔ یہ چار غزل گو میر اثر، قائم، خواجہ حسن اللہ بیان اور انعام اللہ خاں یقین ہیں۔

جہاں تک قائم کا تعلق ہے ہماری اس رائے کی تائید آزاد نے بھی کی جو "آبِ حیات" میں سودا کے ذکر میں قائم کے متعلق لکھتے ہیں :-

"یہ صاحب کمال چاندپور کے رہنے والے
تھے مگر فنِ شعر میں کامل تھے۔ انکا دیوان ہرگز
میر و مرزا کے دیوان سے نیچے نہیں رکھ سکتے
مگر کیا کیجئے کہ قبول عام اور کچھ شے ہے،
شہرت نہ پائی۔۔۔۔۔"

۱۹۲۹ء میں قائم کا تذکرہ شعرائے اردو "مخزن نکات" انجمن ترقی اردو حیدرآباد سے شائع ہوا۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مقدمہ میں کئی تذکرہ نویسوں کے حوالے دیئے ہیں جن سے آزاد کی رائے کی توثیق ہوتی ہے۔ شیفتہ کو چھوڑ کر اکثر تذکرہ نویسوں نے قائم کے کلام کی بلند پائگی تسلیم کی ہے، مصحفی انکی "پختگی کلام" کے قائل ہیں۔ میر حسن انکے طرز کو فارسی غزل گو طالب آملی کا طرز بتاتے ہیں۔ کریم الدین صاحب "طبقات الشعراء" میں ان کو "شاعر خوش گفتار، بلند مرتبہ، موزوں طبع، عالی مقدار" لکھتے ہیں۔ اس تذکرہ نویس کا خیال ہے کہ جو لوگ قائم کو سودا سے بہتر سمجھتے ہیں وہ سچے ہیں۔ رائے لچھمی نرائن صاحب شفیق دکنی نے قائم کے "ذہن سلیم" اور "فکر مستقیم" کو مانا ہے اور اپنے "چمنستان شعراء" میں انکے کلام کا کافی انتخاب دے کر انکی "لطافت" اور "ملاحت" کی پوری داد دی ہے۔

شیفتہ کا خیال ہے کہ قائم کو سودا کا ہمسر سمجھنا دیوانگی ہے۔ مگر قائم کو "بلند پایہ" اور "خوش گفتار" وہ بھی مانتے ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب بھی شیفتہ کی رائے سے متاثر معلوم ہوتے ہیں اور انکے خیال میں بھی قائم کو میر و سودا کا ہم رتبہ کہنا سراسر ناانصافی ہے۔"

لیکن اس سوال کو کوئی نہیں اُٹھاتا اور نہ کوئی جواب پر غور کرتا ہے کہ آخر قائم یا ان کے ساتھ جن اور تین شعراء کے نام گنائے گئے ہیں وہ کس اعتبار سے میر یا درد سودا کے ہم مرتبہ نہیں ہیں۔ سودا کو تو دراصل اس موازنہ سے دینا چاہئے۔ اس لئے کہ غزل طبعاً ان کا فن نہیں ہے۔ میدان کے مرد ہیں وہ قصیدہ یا ہجو ہے۔ یوں تو اُستاد اور جب غزل میں طبیعت کا زور صرف کرتے تھے تو اُسے اپنی اُستادی کی طرح رکھ لیتے تھے۔ مگر تغزل سے اُنکی

بں ہوئی تھی۔ کیا صرف اس لئے کہ میر نے چند ہجویات بھی لکھ
ئے ہیں اور ان میں بھی اپنی اُستادانہ قدرت کلام قائم رکھی
ہنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا کہ میر ہجو نگار تھے۔ یہ تو شاعری
ر بالخصوص اُردو شاعری کے رسوم میں داخل ہے کہ جبتک
اعر کو ہر صنف میں تھوڑی بہت دستگاہ نہ حاصل ہو اُس کو
ل فن نہیں مانا جاتا۔ اور غزلگوئی تو اُردو شاعری کی روح
ال رہی ہے۔ کوئی شاعر بغیر غزل کہے شاعر نہیں مانا
سکتا تھا۔

ہاں تو غزل کے ان "چار یار" کا موازنہ صرف میر
ر درد سے ہونا چاہیئے۔ اور اب اسی سوال کا اعادہ کرنا
ہیئے کہ ان کو کس حیثیت سے میر اور درد سے فروتر سمجھا جائے
ر یہ حیثیت بجائے خود کیا حیثیت رکھتی ہے؟۔

جہاں تک جذبات کی صداقت و معصومیت، زبان
ں سادگی اور پاکیزگی، اور لب و لہجہ کی گھلاوٹ اور بیساختگی
ا تعلق ہے نہ صرف یہ چار بلکہ اس دور کے اکثر قابل ذکر شعراء
یر اور درد کی سطح تک آ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مذکورۂ بالا
ہرست میں میر عبدالحی تاباں اور میر محمد بیدار کا اضافہ کر لیجئے
ءاتم سے لے کر درد تک اُردو شاعری میں جو دور گزرا ہے
رہ کچھ تھا ہی ایسا۔ تاثیر و تاثر، خلوص و انہماک، سادگی اور
عصومیت کو اس دور کی عام خصوصیات سمجھئے۔ اس لئے
ا جو دل میں ہوتا تھا وہی بلا تکلف اور بلا تصنع کے زبان پر
تا تھا۔

تو پھر اسکا کیا سبب کہ میر اور درد کا تو طوطی بولنے
لگا اور آج تک بول رہا ہے مگر قائم اور اسی مرتبہ کے دوسرے
شاعروں کے نام سے سوا معدودے چند کے لوگ غیر
مانوس رہے۔ صرف یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ "قبول عام" بھی
کچھ شے ہے" اس "قبول عام" کا بھی آخر کوئی سبب ہے؟۔

اگر تمام دُنیا کے ادبیات اور فنون لطیفہ کا غائر مطالعہ
کیا جائے اور اُنکی ماہیت اور غایت کی تحقیق و تدقیق کی جائے
تو ماننا پڑے گا کہ ادبیات اور فنون لطیفہ کی اصل و غایت ہمیشہ
سے ایک ہیں اور ایک رہیں گی۔ ہم کو یہاں صرف شاعری
سے بحث ہے۔ شاعری کا جو نظریہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے وہ
سائر فنون لطیفہ پر صادق آئے گا۔ اور جو غایت شاعری کی
بتائی جاتی ہے وہ کلیتہً آرٹ اور لٹریچر پر حاوی ہے۔

شاعری کی اس شور و شر کی زندگی میں صرف اس لئے
ضرورت پڑی کہ جو انبساط و اطمینان انسان کے قلب و روح
کو کسی دوسری طرح میسر نہیں ہو سکتا وہ اس طرح حاصل ہو سکے۔
ہماری یہ زندگی آلام و مصائب اور محنت و ابتلا کی زندگی ہے۔
ہماری روح سکون اور آسودگی کے لئے تڑپتی رہتی ہے۔
شاعر کا کام یہ ہے کہ وہ ہماری اسی زندگی کو اپنی تخئیل کے
رنگ میں رنگ کر اس سے بہتر اور زیادہ دلپذیر صورت میں
پیش کرے جو ہر کس و ناکس سے ممکن نہیں۔

شاعری نام ہے ناگوار کو گوارا بنا کر زندگی کی ماہیت
نہیں تو اُسکی ہیئت کو بدل دینے کا۔ شاعری زندگی کی تاویل
کو کہتے ہیں۔ اسی لئے میتھو آرنلڈ اور دیگر نقادان ادب نے
ادب اور شاعری کو "تنقید زندگی" کہا ہے۔ شاعری کی

ڈھونڈھنے لگے۔

اسی سلسلہ میں دو تین اور ایسے اُردو شعراء ہماری نظر سے گزرے جو باوجود اسکے کہ ان کے کلام اردو غزلگوئی کے بہترین نمونوں میں شمار کئے جاسکتے معرض گمنامی میں پڑے رہ گئے۔ یعنی ان کی شاعری کا چرچا عام نہ ہوسکا۔

مطالعہ اور موازنہ کے بعد ہم لوگ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اردو شاعروں میں کم سے کم چار شعراء ایسے ہیں جن کو بلا مبالغہ میرؔ اور دردؔ کے ساتھ صفِ اول میں جگہ ملنی چاہئے۔ اُس زمانہ میں میرؔ، دردؔ اور سوداؔ کا ڈنکا کچھ اس طرح بجا کہ ان بیچاروں کی آواز پر کسی نے کان بھی نہ دیا۔ یہ چار غزل گو میر اثرؔ، قائمؔ، خواجہ حسن اللہ بیانؔ اور انعام اللہ خاں یقینؔ ہیں۔

جہاں تک قائمؔ کا تعلق ہے ہماری اس رائے کی تائید آزادؔ نے بھی کی جو "آبِ حیات" میں سوداؔ کے ذکر میں قائمؔ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"یہ صاحب کمال چاندپور کے رہنے والے تھے مگر فن شعر میں کامل تھے۔ انکا دیوان ہرگز میر و مرزا کے دیوان سے پیچھے نہیں رکھ سکتے مگر کیا کیجئے کہ قبول عام اور کچھ شے ہے، شہرت نہ پائی ....."

۱۹۲۹ء میں قائمؔ کا تذکرہ شعرائے اردو "مخزن نکات" انجمن ترقی اردو حیدرآباد سے شائع ہوا۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مقدمہ میں کئی تذکرہ نویسوں کے حوالے دئے ہیں جن سے آزادؔ کی رائے کی توثیق ہوتی ہے شیفتہ کو چھوڑ کر اکثر تذکرہ نویسوں نے قائمؔ کے کلام کی بلند پائگی تسلیم کی ہے، مصحفی انکی "پختگی کلام" کے قائل ہیں۔ میر حسن انکے طرز کو فارسی غزل گو طالب آملی کا طرز بتاتے ہیں۔ کریم الدین صاحب "طبقات الشعراء" میں ان کو "شاعر خوش گفتار، بلند مرتبہ، موزوں طبع، عالی مقدار" لکھتے ہیں۔ اس تذکرہ نویس کا خیال ہے کہ جو لوگ قائمؔ کو سوداؔ سے بہتر سمجھتے ہیں وہ سچے ہیں۔ رائے لچھمی نرائن صاحب شفیق دکنی نے قائمؔ کے "ذہن سلیم" اور "فکر مستقیم" کو مانا ہے اور اپنے "چمنستان شعراء" میں انکے کلام کا کافی انتخاب دے کر انکی "لطافت" اور "ملاحت" کی پوری داد دی ہے۔

شیفتہ کا خیال ہے کہ قائمؔ کو سوداؔ کا ہمسر سمجھنا دیوانگی ہے۔ مگر قائمؔ کو "بلند پایہ" اور "خوش گفتار" وہ بھی مانتے ہیں مولوی عبدالحق صاحب بھی شیفتہ کی رائے سے متاثر معلوم ہوتے ہیں اور انکے خیال میں بھی قائمؔ کو میر و مرزا کا ہم مرتبہ کہنا سراسر ناانصافی ہے"۔

لیکن اس سوال کو کوئی نہیں اُٹھاتا اور نہ کوئی اسکے جواب پر غور کرتا ہے کہ آخر قائمؔ یا ان کے ساتھ جن اور تین غزلگو شعراء کے نام گنائے گئے ہیں وہ کس اعتبار سے میرؔ یا دردؔ یا سوداؔ کے ہم مرتبہ نہیں ہیں۔ سوداؔ کو تو دراصل اس موازنہ سے نکال دینا چاہئے۔ اس لئے کہ غزل طبعاً ان کا فن نہیں ہے۔ وہ جس میدان کے مرد ہیں وہ قصیدہ یا ہجو ہے، یوں تو اُستاد تھے اور جب غزل میں طبیعت کا زور صرف کرتے تھے تو اسمیں بھی اپنی اُستادی کی لاج رکھ لیتے تھے۔ مگر تغزل سے انکی سرشت

نہیں ہوئی تھی۔ کیا صرف اس لئے کہ میر نے چند ہجویات بھی لکھ لئے ہیں اور ان میں بھی اپنی اُستادانہ قدرت کلام قائم رکھی یہ کہنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا کہ میر ہجو نگار تھے۔ یہ تو شاعری اور بالخصوص اُردو شاعری کے رسوم میں داخل ہے کہ جبتک شاعر کو ہر صنف میں تھوڑی بہت دستگاہ نہ حاصل ہو اُس کو کامل فن نہیں مانا جاتا۔ اور غزلگوئی تو اُردو شاعری کی روح رواں رہی ہے۔ کوئی شاعر بغیر غزل کہے شاعر نہیں مانا جاسکتا تھا۔

ہاں تو غزل کے ان "چار یار" کا موازنہ صرف میر اور درد سے ہونا چاہئے۔ اور اب اسی سوال کا اعادہ کرنا چاہئے کہ ان کو کس حیثیت سے میر اور درد سے فروتر سمجھا جائے اور یہ حیثیت بجائے خود کیا حیثیت رکھتی ہے؟۔

جہاں تک جذبات کی صداقت و معصومیت، زبان کی سادگی اور پاکیزگی، اور لب ولہجہ کی گھلاوٹ اور برجستگی کا تعلق ہے نہ صرف یہ چار بلکہ اس دور کے اکثر قابل ذکر شعراء میر اور درد کی سطح تک آجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مذکورۂ بالا فہرست میں میر عبدالحی تاباں اور میر محمد بیدار کا اضافہ کر لیجئے حاتم سے لے کر درد تک اُردو شاعری میں جو دور گزرا ہے وہ کچھ تھا ہی ایسا۔ تاثیر و تاثر، خلوص و انہماک، سادگی اور معصومیت کو اس دور کی عام خصوصیات سمجھئے۔ اس لئے کہ جو دل میں ہوتا تھا وہی بلا تکلف اور بلا تصنع کے زبان پر آتا تھا۔

تو پھر اسکا کیا سبب کہ میر اور درد کا توطوطی بولنے لگا اور آج تک بول رہا ہے مگر قائم اور اسی مرتبہ کے دوسرے شاعروں کے نام سے سوا معدودے چند کے لوگ غیر مانوس رہے۔ صرف یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ "قبول عام اک شئے ہے" اس "قبول عام" کا بھی آخر کوئی سبب ہے؟۔

اگر تمام دُنیا کے ادبیات اور فنون لطیفہ کا غائر مطالعہ کیا جائے اور اُنکی ماہیت اور غایت کی تحقیق و تدقیق کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ ادبیات اور فنون لطیفہ کی اصل و غایت ہمیشہ سے ایک ہیں اور ایک رہیں گی۔ ہم کو یہاں صرف شاعری سے بحث ہے۔ شاعری کا جو نظریہ یہاں بیان کیا جاتا ہے وہ سائر فنون لطیفہ پر صادق آئے گا۔ اور جو غایت شاعری کی بتائی جاتی ہے وہ کلیۃً آرٹ اور لٹریچر پر حاوی ہو۔

شاعری کی اس شور و شر کی زندگی میں صرف اس لئے ضرورت پڑی کہ جو انبساط و اطمینان انسان کے قلب و روح کو کسی دوسری طرح میسر نہیں ہو سکتا وہ اس طرح حاصل ہو سکے۔ ہماری یہ زندگی آلام و مصائب اور محنت و ابتلا کی زندگی ہے۔ ہماری روح سکون اور آسودگی کے لئے تڑپتی رہتی ہے۔ شاعر کا کام یہ ہے کہ وہ ہماری اسی زندگی کو اپنی تخئیل کے رنگ میں رنگ کر اس سے بہتر اور زیادہ دلپذیر صورت میں پیش کرے جو ہر کس و ناکس سے ممکن نہیں۔

شاعری نام ہے ناگوار کو گوارا بنا کر زندگی کی ماہیت نہیں تو اُسکی ہیئت کو بدل دینے کا۔ شاعری زندگی کی تاویل کو کہتے ہیں۔ اسی لئے میتھو آرنلڈ اور دیگر نقادان ادب نے ادب اور شاعری کو "تنقید زندگی" کہا ہے۔ شاعری کی

امتیازی شان "تخئیلیت" جو دلخواہ زندگی ہماری قسمت میں نہیں لکھی گئی اُس کو ہم تخئیل کے ذریعہ حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔

کسی مُلک کی ادبی تاریخ اُٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ جن شاعروں میں تلخی، طنز، یاس، تشکیک یا بغاوت کی فراوانی رہی ہے وہ ان شاعروں کے مقابلہ میں فروتر سمجھے گئے ہیں جو نشاط و انبساط کا پیغام رکھتے ہیں۔ اور جس دور میں ادبیات کا عام لہجہ حزن و ملال رہا ہے اس کو ادبی انحطاط کا دور قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر عوام تو یاس انگیز شاعری کے متحمل ہی نہیں ہو سکتے۔ اگر شاعر نے اپنے لب و لہجہ، اپنے تیور، اپنے انداز بیان سے یاس و حرماں کو نشاط و ابتہاج سے بہتر نہیں بنایا، اگر اُس نے شکستگی اور مظلومیت کا ایک عاجزانہ اور بیکسانہ انداز میں اعتراف کرکے اپنی حمیت کھوئی، یا زندگی کی تلخکامیوں کو تلخ تر بنا کر پیش کیا تو عوام الناس نہ اسکی تاب لاسکتے ہیں اور نہ اس سے موانست پیدا کر سکتے ہیں۔ ایسے شاعروں کی مقبولیت کا دائرہ عموماً محدود ہوتا ہے اور اکثر انکی مدت حیات کم ہوتی ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ ایسا ہونا چاہئے یا نہیں۔

اب آیئے ہم پھر اپنے شاعروں کی طرف رجوع ہوں۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ میر اور درد کے مطالعہ سے دل میں ایک اُبھار ایک حوصلہ، ایک ابتہاج پیدا ہوتا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ ان کا پیغام "نشاط غم" ہے، یعنی اس سے تو انکار نہیں کہ انکی شاعری کے عام عناصر آلام روزگار اور آلام عشق ہیں

ان کے وہاں گنتی کے ایسے اشعار نکلیں گے جن میں زندگی کی ناکامیوں اور مایوسیوں کا بیان نہ ہو۔ مگر یہ بیان عموماً ایک پندار اور احساس وقار کے ساتھ ہوتا، ان کی سپردگی میں ایک فاتحانہ انداز ہوتا ہے، اور ہم ان کو پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے اپنی سطح سے بہت بلند و برتر ہو جاتے ہیں۔

برخلاف ان کے جن شاعروں کے نام گنائے گئے ہیں وہ نہ صرف ہم کو بجنسہ تلخکام اور زندگی سے بیزار چھوڑ دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات ہماری تلخی اور بیزاری کو پہلے سے کہیں زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ وہ غم کو راحت فزا بنانا نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم زیادہ دیر تک اُن کی شاعری کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

ان تلخ بیان شاعروں میں باعتبار تلخی میر اثر سب سے سبقت لے گئے ہیں۔ ان کی شاعری کا عام لہجہ وہی ہے جو اُن کی مثنوی "خواب و خیال" کا ہے۔ پڑھنے والا بہت جلد ان کی شاعری سے گھبرا جائے گا، یا ان کی طرح زندگی کو ایک قسم کا دق سمجھنے لگے گا۔

اس گروہ میں جو شاعر سب سے کم تلخی اور سب سے زیادہ اپنے کو سنجیدگی و متانت کے ساتھ لئے ہوئے رہتا ہے وہ قائم ہے۔ طنز اور تلخ بیانی انکی شاعری کی بھی عام خصوصیات ہیں۔ مگر ان میں ایک ضبط اور سنجیدگی کا بھی پہلو نمایاں ہے۔ اب ہم کو قائم کی صحیح جگہ معلوم ہوگئی ہے اور ہم قابل ہیں کہ اپنا دائرۂ موضوع انھیں تک محدود رکھیں

قائم کا اصل نام شیخ قیام الدین تھا۔ بہ حسرت

چند دیگر تذکرہ نویسوں نے محمد قائم نام بتایا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ مصنف "گل رعنا" نے قیام الدین علی لکھا۔ لیکن خود قائم اپنے کو قیام الدین ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور زیادہ تر تذکرہ نویسوں کا اسی پر اتفاق ہے اس لئے یہی نام صحیح ہے۔

قائم چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے لیکن بہ سلسلۂ ملازمت زیادہ عمر دلّی ہی میں بسر ہوئی اور یہیں کا عام رنگ اختیار کیا۔ زیادہ تر دردؔ اور سوداؔ سے اصلاح لی۔ آزادؔ کی رائے ہے کہ اول اول میاں ہدایت اللہ ہدایتؔ سے مشق کی پھر ان سے کچھ ایسی بگڑی کہ انکی ہجو میں ایک قطعہ کہکر ان سے الگ ہوگئے۔ لیکن کسی تذکرہ یا دوسرے ذریعہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ قائم کبھی ہدایت کے شاگرد تھے۔ البتہ ایک قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی قائم نے ہدایت کی مذمت کرنا چاہی تھی اور اس کے لئے دردؔ سے اجازت مانگی تھی۔ دردؔ نے اس کو ایک فعل عبث سمجھا اور انکی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ دردؔ اور قائمؔ میں نبھی کیوں نہیں، اور قائم نے دردؔ کو چھوڑ کر سوداؔ کا ساتھ کیوں پکڑا۔ کہا جاتا ہے کہ دردؔ سے کچھ بگڑی اور پھر "ان کے حق میں بھی کہہ سن کر الگ ہوگئے"۔ اول تو دردؔ کی طبیعت ایسی نہ تھی کہ کوئی ان سے بگاڑ پیدا کر سکے۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ قائم نے ہجویں بھی لکھیں، لیکن انکی فطرت دراصل ہجوی نہیں تھی اور پھر دراصل وہ ایسے کور ذوق اور قدر ناشناس نہیں تھے کہ دردؔ جیسے برگزیدہ لوگوں کی شان میں بے ادبی کرتے۔ میاں ہدایت تک تو انکی ہجو چنداں بیجا نہ تھی۔ سوداؔ سے بھی اگر نوک جھونک رہتی تو سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ لیکن یہ دردؔ کے ساتھ ناحق بدزبانیاں تو بے محل سی بات تھی اور پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ آخر میں انھوں نے دردؔ کو چھوڑ کر سوداؔ کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔ اس پر جتنی بھی حیرت کیجئے کم ہے کہ قائم دردؔ کے ساتھ نباہ نہ سکے، اگرچہ موازنہ و مقابلہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انکے کلام پر دردؔ کا رنگ زیادہ غالب ہے اور سوداؔ کی کوئی قابل اعتنا جھلک نظر نہیں آتی۔

اب یہاں ہم کو تھوڑا سا اپنے قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ سوداؔ شاہ حاتمؔ کے شاگرد تھے۔ قائم کی شاعری اسبات کا پتہ دیتی ہے کہ ان کو حاتمؔ کا رنگ کلام مرغوب تھا۔ دونوں کے کلام میں ایک طرح کا جوش، ایک طرح کا جذباتی انہماک، ایک طرح کی بیساختگی اور بے تکلفی، ایک طرح کی سادگیٔ اظہار، اور ایک طرح کا تیکھاپن ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ قائم نے حاتمؔ کا گہرا مطالعہ کیا اور ان سے گہرے نقوش قبول کئے۔ یہاں تک کہ حاتمؔ کا رنگ ان کے رنگ میں سرایت کر گیا۔ ممکن ہے کہ انتہائے غلو یا پھر مغالطہ میں انھوں نے سوداؔ کو اپنا استاد منتخب کیا ہو۔ مگر سوداؔ سے وہ کچھ زیادہ فیضیاب نہیں رہے حاتمؔ کے علاوہ جس کا انداز ان کے وہاں نمایاں ہے وہ دردؔ ہی ہیں۔

قائمؔ کے چند اشعار تو ضرب المثل ہوگئے ہیں اور عام و خاص کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اگرچہ بہت کم یہ جانتے ہیں کہ وہ قائمؔ کے اشعار ہیں، اور وہ یہ ہیں:۔

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا   آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

کعبہ اگرچہ بگڑا تو کیا جائے غم ہے شیخ
کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند[1]
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہگیا

قائم کے وہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے جن میں ضرب المثل ہو جانے کی قابلیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہ قابلیت حاتم اور قائم دونوں میں ایک طرح اور ایک حد تک پائی جاتی ہے۔ اور یہی خصوصیت ہے جو دونوں کے کلام کو طالب آملی کے کلام سے مشابہ بناتی ہے۔ طالب آملی کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عامۃ الورود کیفیات و محسوسات کو نہایت گرمجوشی اور انہماک کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اور پیرایۂ بیان عامیانہ نہیں ہوتا لیکن اس میں دور از کار کوئی مخصوصیت بھی نہیں ہوتی۔ اظہار جذبات میں اسکے وہاں ایک ایسی بے ساختگی اور سادگی ہوتی ہے کہ اسکے اکثر اشعار زبان پہ بے تکلف چڑھ جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اگرچہ قائم کی طرح طالب آملی بھی ان بدقسمتوں میں سے ہے جن کے اشعار ان تمام خصوصیات کے ہوتے ہوئے بھی زباں زد ہر خاص و عام نہیں ہو سکے۔ اور شاید اسکا سبب بھی وہی ہے جو قائم کے سلسلہ میں بیان کیا جاچکا ہے۔

قائم کو "ادھیڑ عمر کا شاعر" کہنا شاید بے جا نہ ہوگا۔ مختلف شاعر عمر کے مختلف دور کے لئے ہوتے ہیں۔ "جوانی کے شاعروں" میں اس ہیجان و اضطراب کی فراوانی ہوتی ہے جس کو جوانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ قدیم اردو شاعروں میں اسکی بہترین مثالیں میر آثر، انعام اللہ خاں یقین اور میر عبد الحی تاباں ہیں۔ ان کا کلام پڑھنے والوں کے دلوں میں ایک تپش اور بے چینی پیدا کر دیتا ہے۔ ان کے وہاں اس توازن کا بہت کم پتہ چلتا ہے جو جوانی کی دوپہر ڈھل جانے کے بعد پیدا ہوتا ہے، ان کا کام صرف تڑپنا اور تڑپانا ہے۔ خواجہ حسن اللہ بیان اس دور سے گزر چکے ہیں اور زندگی کے وسط میں قدم رکھ چکے ہیں۔ اس دور کی شاعری عموماً "یاد کی شاعری" ہوتی ہے۔ یعنی شاعر ماضی کی یاد میں ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کر رہ جاتا ہے۔ اسکی سرد آہوں میں تاثیر و تاثر سوز و گداز تو بہت ہوتا ہے۔ مگر وہ نہ خود تڑپتا نہ دوسروں کو تڑپاتا ہے یہ یاد محض بڑھاپے کی یاد نہیں ہوتی جو نام ہے سراسر ایک مجہولی کیفیت کا۔ بلکہ اس یاد کے اندر ایک گرمجوشی، ایک والہانہ انداز، ایک وارفتگی ہوتی ہے جس کے آثار بڑھاپے میں بہت کم باقی رہتے ہیں۔ اس یاد کی بہترین مثال خواجہ حسن اللہ بیان کا یہ شعر ہے:-

پیو شراب جوانو! کہ موسم گل ہے
ہمیں بھی یاد وہ عہدِ شباب آتا ہے

---

[1] یہ شعر عام طور سے یوں مشہور ہے:-

قسمت کو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی جا کمند   دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

مصنف "گل رعنا" نے بھی یوں ہی درج کیا ہے لیکن تذکرہ نویسوں نے اسی طرح دیا ہے جیسا کہ اوپر درج ہے۔ مولانا حسرت نے قائم کا جو انتخاب شایع کیا ہے اسمیں بھی یہ شعر اسی طرح ہے جس طرح کہ تذکروں میں ہے۔ حیرت ہے کہ "گل رعنا" کے مصنف نے تحقیق و کاوش سے کام نہیں لیا۔

میر اور درد "بڑھاپے کے شاعر" ہیں جبکہ انسان کے اندر انتہائی سنجیدگی، انتہائی متانت اور انتہائی برگزیدگی آجاتی ہے۔

غرضکہ قائم "ادھیڑ عمر کے شاعر" ہیں، اور انکے اکثر اشعار اس "یادگرم" کے بہترین نمونے ہیں۔ ان کا اپنا ایک انفرادی رنگ نمایاں رہتا ہے، اور خود اُن کا یہ شعر اُن پر صادق آتا ہے:۔

آج قائم کے شعر ہم نے سُنے — ہاں کچھ انداز تو نکلتا ہے

اور یہ "انداز" کچھ ایسا نرالا ہے کہ اس کا مزید تجزیہ ممکن نہیں۔ ان خصوصیات کو نہ گنایا جاسکتا نہ بیان کیا جاسکتا ہے جنکی بدولت انکے اشعار بے طرح دلوں کو کھینچنے لگتے ہیں۔

قائم نے ایک قطعہ میں اپنی شخصیت پر روشنی ڈالی ہے اور بجنسہٖ یہی اُنکی شاعری کی شخصیت ہے۔ کہتے ہیں:۔

قائم جو ہے شمع بزم معنے — میں ات گیا تھا اُس عواں تک
پایا تو ہے ڈھیر آنسوؤں کا — دیکھا تو گداز استخواں تک

یہ گداختگی اُن کی شاعری کی عین فطرت ہے۔ وہ زندگی اور محبت کے واردات کو بڑے ضبط اور خودداری کے ساتھ بڑے بلیغ اشاروں میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً وہی شعر:۔

بے دماغی سے نہ اُس کے دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھی دور گیا

یہ شعر وہی کہہ سکتا ہے جو عشق کی اس منزل پر پہنچ چکا ہو۔ یہ "بے دماغی" بڑی پختہ مغزی کی علامت ہے۔ اس عالم کا تجربہ اکثر اُن لوگوں کو ہوگا جن کے دل "رنجور" ہو چکے ہیں لیکن کسی کو اتنی تاب نہیں کہ اس کو ضبط تحریر میں بھی لائے۔

قائم اس "حال بے حال" کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص اس کو اپنے حال سے تعبیر کرنے لگتا ہے۔ بیدماغی کے اور بھی مضامین قائم کے وہاں کثرت سے ملتے ہیں جن کا انداز اچھوتا ہے۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاعر کو اس موضوع سے خاص اُنس ہے اور اسکو اسمیں مہارت تامہ حاصل ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

مجھے اس اپنی مصیبت سے ہے فراغ کہاں
کسی سو چاہوں کہ صحبت رکھوں دماغ کہاں

کتنی عام بات ہے مگر خلوص اور بے تکلفی اور اسلوب اظہار کی دلپذیری نے اس میں کیسی ندرت اور تازگی پیدا کردی ہے اسی طرح یہ شعر:۔

وہ دن گئے کہ اُٹھاتا تھا بار نکہت گل
ہے بیدماغیِ دل اندنوں گراں مجھ کو

کس نزاکت شعری سے کام لیا ہے اور پھر اصل حالت کی کتنی سچی تصویر ہے۔ کہیں سے مبالغہ نہیں کہا جاسکتا۔ اسکے مقابلہ میں غالب کا یہ شعر جو بہت ممکن ہے قائم کے شعر کو سامنے رکھکر لکھا گیا ہو محض شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

زندگی میں اکثروں کو اس "بیدماغی" کا تجربہ ہوا ہوگا۔ یہ کوئی بہت نادر الوجود تجربہ نہیں ہے۔ اکثر انسان زندگی کی پے بہ پے ناکامیوں اور تلخیوں کے بعد اسی طرح بددل و بے حوصلہ ہوجاتا ہے اور پھر نہ اس کو خوشی کی خوشی ہوتی اور نہ رنج

کا رنج، اُس کو نہ کامرانی کا حوصلہ ہوتا ہے اور نہ محرومی کا کوئی غم۔ قائم اسی منزل بے نیازی پر پہونچکر کہتے ہیں:-

فلک جو دے تو خدائی بھی اب نہ لے قائم
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

ایک جگہ اور "بے دماغی" کا مضمون باندھا ہے۔ اگرچہ یہاں اس قسم کی بے دماغی نہیں ہے، ذرا نزاکت حسن اور حسن تصور دیکھئے گا۔

شمیم زلف کا کس کے چمن میں تھا مذکور
نسیم نکہتِ گل سے ہے بے دماغ ہنوز

اس کو محض شاعرانہ اُپج نہیں کہہ سکتے، تخیل کو تجربہ اور تصور کو واقعہ بنا دینا اسی کو کہتے ہیں، یہ ہر شاعر کا کام نہیں ہوتا۔

غرضکہ قائم کے دیوان میں "بے دماغی" کا اکثر ذکر ہے۔ جس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان کو انسان کی اس حالت کا خاصا تجربہ تھا اور وہ اسکے بیان میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔

قائم نے اگرچہ قصیدہ، مثنوی اور دیگر اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی۔ لیکن اگر واقعی ان کی طبیعت کو کسی صنف سے فطری مناسبت ہے تو وہ غزل ہے۔ غزل کے اصل موضوع زندگی کی المناکی اور محبت کا سوز و گداز ہیں۔ کیفیات عشق اور واردات زندگی کو دلسوزی اور دردمندی نرمی اور لطافت کے ساتھ بیان کرنے کا نام غزل ہے۔ شیفتگی اور خودگزشتگی، انہماک اور محویت خستگی اور رنجوری سے تغزل کا خمیر ہوا ہے۔ اب آپ ان چیزوں میں جتنی نئی شان، نئے انداز، نئے تیور پیدا کر سکتے ہوں پیدا کیجئے۔ لیکن یاد رکھئے کہ جہاں اس کا فقدان ہوا وہاں تغزل کا فقدان ہوا۔ قائم نے اسمیں شک نہیں کہ غزل کے ان عناصر ترکیبی میں نئی نئی شانیں پیدا کی ہیں۔ لیکن کہیں سے انکی ماہیت نہیں بدلی ہے۔ دل اور معاملات کے مضامین وہ بڑی نزاکت اور لطافت کے ساتھ باندھتے ہیں، عشق کے نکات و اشارات پر ان کو بڑا عبور حاصل ہے۔ دل کے چند مضامین ملاحظہ ہوں:-

سمجھ کے شیشۂ دل کو پٹکیوا ئے بتِ مست
بجاے بادہ لہو ہے اس آبگینے میں

ان کا تخیل بڑا اخلاق ہے۔ دیکھئے مضمون اس سے زیادہ نہیں کہ جو شخص میرے دل کو جوان اور سرمست سمجھتا ہے اُس کو ہوشیار رہنا چاہئے، اس لئے کہ محبت کی جراحتوں اور زندگی کی دردمندیوں نے میرا دل خون کر دیا ہے، اور جس کیفیت کو معشوق سرمستی سے تعبیر کرتا ہے وہ شراب کی سرمستی نہیں بلکہ لہو کی سرمستی ہے۔ لیکن اس مضمون کو قائم کی استعاری نزاکت اور اسلوبی لطافت نے کتنا اچھوتا بنا دیا ہے۔ اسی غزل کا دوسرا شعر ہے:-

یہ جانتا میں نہیں ہوں کہ دل ہے کیا قائم
پر اک خلش سی رہے ہے مدام سینے میں

کتنا لطیف، کتنا بلیغ اور پھر کتنا بھولا اشارہ ہے۔ اسکے بعد یہ اشعار قطعاً اس قابل ہیں کہ ضرب المثل ہو جائیں:-

نے ہجر چاہتا ہوں نہ وصلِ حبیب کو یارب کہیں ہو صبر دلِ ناشکیب کو

دل گنوانا تھا اس طرح قائم — کیا کیا ہائے تونے خانہ خراب

لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا قائم
شاید اس جنس کا یاں کوئی خریدار نہ تھا

لوٹنا خوں میں گلستاں کی طرح — کہہ تو اے دل یہ ہے کہاں کی طرح

غیر اسکے کہ خوب روئے اور — غم دل کا کوئی علاج نہیں

اس شعر کو جس چیز نے اتنا بلند کر دیا ہے وہ اس کی بدیہیت اور عمومیت ہے۔ کون ہے جو اس ازلی انسانی حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ عام بات شاید کہی نہیں جا سکتی تھی۔ لیکن کوئی بات اس سے زیادہ سطح عام سے بلند بھی نہیں بنائی جا سکتی تھی۔

میں نے قائم کو ہر شخص کی "یاد ماضی کا شاعر" بتایا ہے اور ہر شخص کو ایک گزرے ہوئے زمانے کی یاد دلا دیتے ہیں جو زمانۂ حال سے کہیں زیادہ پرکیف ہوتا ہے۔ یہ شعر سنئے اور اپنے اس زمانہ کی یاد کر کے سر دھنئے جب کہ ہم سب کا دل بھرا تھا اور ہماری آنکھوں میں "نم" کی فراوانی تھی:-

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھو جو روتے تھے خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

قائم کے وہاں گزشتہ کی یاد حال سے زیادہ واقعیت اپنے اندر رکھتی ہے اور عین واقعہ سے زیادہ سنگین اور زیادہ دلکش ہوتی ہے۔ اسی غزل کا ایک اور شعر سنئے:-

موافقت کی بہت شہریوں سے میں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہے آنکھوں میں

کون ایسا ہے جس کو یہ شعر پڑھ کر "وہی غزال" یاد نہ آ گیا ہو؟ شاید ہی کسی کی زندگی ایسے سانحہ سے خالی ہو۔ امیر مینائی کا بھی ایک شعر اسی قبیل کا ہے اگرچہ اتنا دلنشیں نہیں ہے:-

یاد دلوائیں وہ آنکھیں نہ ہرن صحرا کے
ہم وطن سے ہیں اسی درد کے مارے نکلے

اسی طرح یہ دو شعر ایک وسیع ولولہ خیز عہد ماضی کی تصویر آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں:-

کسے گلگشت گلشن کی ہوس ہے — اسیری کا جگر پر داغ بس ہے
نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت — برس گزرے کہ میں ہوں اور قفس ہے

اسی مفہوم کو ایک جگہ یوں ادا کرتے ہیں:-

دامان گل تئیں ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیف سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے

ذیل میں یاد کی ایک پوری داستان ہے:-

اب تو نے گل نہ گلستاں ہے یاد — اُسی کھڑکے کی ہر زماں ہے یاد
ہمنشیں کہہ کے قصۂ مجنوں — ہم کو بھی دل کی داستاں ہے یاد
گل سے کیا مختلط ہوں اے بلبل! — مجھ کو وہ آفت خزاں ہے یاد
آہ اے پیر چرخ! قائم نام — یاں جو رہتا تھا اک جواں ہے یاد

آخری شعر کی بے تکلفی اور بے ساختگی پر دل میں یاد کی ایک ہوک اٹھنے لگتی ہے۔

قائم کو محبت کا پورا تجربہ ہے اور ان کا دل اس تجربہ

سے سرد ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:۔

ہوس ہے عشق کی اہلِ ہوا کو ہم تو میاں!
سُننے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں

حیرت ہے کہ اس شعر کے ہوتے ہوئے مومن کا یہ شعر کیسے ضرب المثل ہوگیا؟ :-

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہونگے

مومن کے وہاں اس گھلاوٹ کا نام نہیں ہے جو قائمؔ کے شعر کی جان ہے۔ اب ہم اس "یاد" کے تحت میں چند اور اشعار نقل کرتے ہیں جو سُننے والے کے دل پر نقش ہوکر رہ جاتے ہیں:۔

عوضِ اُمید کے اب دل کو یاس آئی ہے
عجب زمانے میں جی سے خلش مٹائی ہے

وہ دن گئے کہ لہو ہو نکلے تھے چشمِ تر سے
اب لختِ دل ہے کوئی یا پارۂ جگر ہے

بھٹکا پھروں ہوں یاں جو اکیلا میں ہر طرف
اے ہمرہانِ پیش قدم تم کدھر گئے

ضبط سے دعوئے سوا ہے اب ان یاروں کو
وے جو دیوانے تھے تیرے سو بیاباں کو گئے

کسکی آنکھوں سے شب ہوا تھا دوچار　　ابتلک کھینچتا ہوں رنجِ خمار

کیونکر روؤں میں دیکھ خندۂ گل　　کہ ہنسے تھا وہ بیوفا بھی یونہی

قائمؔ کا دیوان ایسے کلیات و حکم سے بھرا ہوا ہے جو مسائل زندگی پر بلا استثنا، حاوی ہیں۔ وہ جو بات کہتے ہیں نہ صرف دلنشیں ہوتی بلکہ کیمیا و طبیعیات کے تجربی اصول کی طرح انسان کی زندگی پر صادق آتی ہے۔ یہاں چند اس قسم کے اصول و نظریات پیش کئے جاتے ہیں:۔

کوئی مختار کہو یا کوئی مجبور ہمیں
ہم سمجھتے ہیں جہاں تک کہ ہے مقدور ہمیں

تھا بدو نیک جہاں سے میں عدم میں آزاد
ہائے کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھ کو

جلوہ ہر رنگ میں ہے اُس بُتِ ہرجائی کا
یہ پریشاں نظری کام ہے بینائی کا

نہ کر غرور تو منعم کہ ایک گردش ہیں
فقیر کا سا پیالہ ہے تاجِ شاہی کا

خوش ہو اے دل اگر تو شاد نہیں　　یاں کی شادی پر اعتماد نہیں

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی   اس سے جو کوئی جیا تو مر کر

ہزار مہر ہیں مخفی فلک کے کینے میں
کرے ہے رخنہ عبث خضر کب سفینے میں

اسی ذیل میں وہ اشعار بھی آتے ہیں جو ضرب المثل ہو جانے کے قابل ہیں۔ یوں تو قائم کی شاعری بالعموم اس قابل ہوتی ہے۔ لیکن مندرجۂ ذیل اشعار بالخصوص لائق ذکر ہیں:-

میں خوب اہل جہاں دیکھے اور جہاں دیکھا
پر آشنا کوئی اپنا نہ مہرباں دیکھا
نہ جانے کون سی ساعت چمن میں بچھڑے تھے
کہ آنکھ بھر کے نہ پھر سوئے گلستاں دیکھا

حباب تک ہے مثل آئینہ امکان دیکھنا
دکھلائے جو فلک سو مری جان دیکھنا
قائم قدم سنبھال کے رکھ کوئے عشق میں
یہ راہ بے طرح ہے مری جان دیکھنا

قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار میں بیمار بہت

بہار عمر ہے قائم کوئی دن   اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

پاؤں بھی اپنے ٹھہرتے نہیں مانند سرشک
دیکھیں لے جائے کدھر یہ سر پرشور ہمیں

خشک تر پھونکتی پھرتی ہے سدا آتش عشق
بچیو اس لپٹ سے! اے پیر و جواں سنتے ہو

پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اے شب فراق!
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے

ہم سے ملے نہ آپ تو ہم بھی نہ مر گئے
کہنے کو رہ گیا یہ سخن دن گزر گئے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسو کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

ایک جاگہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں

قائم کا سارا کلام دیکھ جانے کے بعد اتنی خصوصیات بہت نمایاں نظر آتی ہیں، وہ جو باتیں کہتے ہیں وہ بہت جامع اور ہمہ گیر اور عام فہم ہوتی ہیں، لیکن عامیانہ نہیں ہوتیں۔ انکی زبان میں ایک پرکیف سادگی ہوتی ہے اور بیان میں ایک بالکل اپنے انداز کی بیساختگی۔ انکی شاعری جذبات

کی اُس منزل سے ہوتی ہے جہاں انسان کے اعصاب میں انقباض باقی نہیں رہتا، جہاں دل کی شورش میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہونے لگتا ہے۔ جہاں جذبات میں قرار اور سنجیدگی کے آثار رونما ہونے لگتے ہیں، جہاں ارادات و داعیات میں پختگی اور گداختگی آجاتی ہے، جہاں سوز و گداز کے معنے کرب و محنت کے نہیں ہیں جہاں سے انسان نہایت مسرت و انبساط کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے:۔

یار اگر چاہتا ہے دے قائمؔ   جان کچھ دل سے تو زیادہ نہیں

یہ سپردگی اور رضا جوئی کی منزل بغاوت اور سرکشی کی منزل سے کہیں بلند ہے۔

ذرا اس دبے ہوئے طوفان کو ملاحظہ کیجئے، کیا کسی پُر خروش طوفان میں اس سے زیادہ بے بسی اور بیچارگی ممکن تھی؟ کیا شور و ہیجان میں اس سے زیادہ زور ہو سکتا تھا:۔

مانعِ گریہ کس کی خو ہے آج   آنسوؤں سے بہا نہیں جاتا

زندگی میں شور و شر کے بعد ایک ایسا دور سکوت بھی آتا ہے جبکہ انسان اپنی ناگفتہ بہ حالت کو بڑے لطف اور بڑی خوش مزاجی کے ساتھ بیان کرنے لگتا ہے، ملاحظہ ہو:۔

نت ہوں قائمؔ خموش کیا جانے   کس تہی دست کا چراغ ہو تمیں

یا ایک دوسری جگہ کس اطمینان اور سہولت کے ساتھ اپنی ساری اندرونی شورش کو کل پر اُٹھا رکھا ہے:۔

کل اسے آشوب نالہ آج نہیں   آج ہنگامہ پر مزاج نہیں

یہ قابو برسوں کی مشق کے بعد حاصل ہوتا ہے، غم سے غمناک نہ ہونا بلکہ اُسے حیرت کرنا بڑے جگر کا کام ہے۔ کہتے ہیں:۔

جب میں دیکھا ہے تو اس دل کو غمیں دیکھا ہے
یہ نیا چاؤ محبت کا یہیں دیکھا ہے

یا مثلاً:۔

گھل گیا آپ ہی آپ کچھ قائمؔ   کیا بلا اس جوان پر آئی

خود اپنی حالت پر اس طرح تبصرہ کرنا جس طرح محلہ والے کرتے ہیں بڑی پختہ کاری کی دلیل ہے۔

اب آخر میں قائمؔ کے کلام سے ایسے اشعار اکٹھا کئے جاتے ہیں جن میں قائمؔ کے تمام خصوصیات موجود ہوں اور جن سے انکے مرتبۂ شاعری کا صحیح اندازہ کرنے میں مزید مدد ملے:۔

پوچھ نہ قائمؔ کٹی کیونکہ عمر   خوں ہوا یکچند بسر کر گیا

برنگ غنچہ بہار اس چمن کی سُنتے تھے
پہ جوں ہی آنکھ کھلی موسم خزاں دیکھا

نہ کہتے تھے تجھے قائمؔ کہ دل کسی کو نہ دے
مزا کچھ اس کا بھلا تو نے اے میاں چکھا؟

کب میں کہتا ہوں کہ تیرا میں گنہگار نہ تھا
لیکن اتنی تو عقوبت کا سزاوار نہ تھا[1]

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ یہ شعر حسب ذیل تبدیلی کے ساتھ مرزا مظہر جان جاناں کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا   لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

اگر یہ توارد ہے تو یقیناً حیرت انگیز ہے۔

عوض طرب کے گذشتوں کا ہم نے غم کھینچا
شراب اوروں نے پی اور خمار ہم کھینچا

چھوٹ کر دام سے ہم گرچہ رہے گلشن میں
پر تری قید کو صیاد ! بہت یاد کیا

پل مارتے کرے ہے اشاروں سے متہم
ٹک اس ستم ظریف کا بہتان دیکھنا

گو تغافل سے میرا کام ہوا
پر بھلا تو تو نیک نام ہوا

صحت کا جی میں چاؤ نہ آزار کی ہوس
ناگفتنی ہے کچھ ترے بیمار کی ہوس

سیکھے ہو کس سے سچ کہو پیارے یہ چال ڈھال
تم اک طرف چلو ہو تو تلوار اک طرف
کس بات پر تری میں کروں اعتبار ہائے
اقرار اک طرف ہے تو انکار اک طرف

دل دیکے دیا ہے مجھ کو جاں تک
اب درگزر کروں کہاں تک
آمادہ سوختن ہوں اک بار
لے برق مرے بھی آشیاں تک

تیر نے اس تلک ہی پہونچوں اور
خاک ہونے سے کچھ مراد نہیں

قائم تو اس طرح جو پھرے ہے خراب و خوار
اے خانماں خراب مگر تیرے گھر نہیں

یارب گیا کون یاں سے مہماں
لگتا ہے یہ گھر اداس مجھ کو
کو جامۂ خاک خوں کر قائم
سمجھا تھا وہی لباس مجھ کو

عاشق نہ تھا میں بلبل کچھ گل کے رنگ و بو کا
اک انس ہو گیا تھا اس گلستاں سے مجھ کو

یہ کون طرز وفا ہے جو ہم سے کرتے ہو
میاں خدا نہ کرے تم خدا سے ڈرتے ہو

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھی کے سو چلے
بلبلو ! خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ
میں دوانہ ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

قائم نہیں ہے دردِ محبت دوا پذیر
تا جان ہے یہ جان کا آزار دم کے ساتھ

ہمنشیں ! ذکر یار کر کچھ آج
اس حکایت سے جی بہلتا ہے
دل شرر تک پہنچ چکا جوں اشک
اب سنبھالے سے کب سنبھلتا ہے

دل بعد جو یہیں ہے [illegible]

ظالم خبر تو لے کہیں قائم ہی یہ نہ ہو
نالاں و مضطرب پسِ دیوار ہے کوئی

روز و شب ہے حالتِ انجامِ مینوشی مجھے
کس کی آنکھوں نے دیا پیغامِ بیہوشی مجھے

جنوں کے ہاتھ سے گو ناتواں ہوں   گریباں تک ہی تو دسترس ہے

یہ صحرا ہے بھلا دیکھیں تو اک بار   جنوں کیسا ترا دیوانہ پن ہے

کب ہوئی صبح کہ اس چرخِ سیہ کار نے یاں
بھر کے لوہو سے نہ جوں لالہ مجھے جام دیا

جو یاں جئے ہے تو غافل بچشمِ نم جینا
کہ جوں حباب ہے عالم میں ایک دم جینا

گردش میں ہوں میں رات دن ایام کی طرح
یہ چال ہے تو کون سی آرام کی طرح

آنا ہے تو آ، وگرنہ پیارے   ہم آپ سے آج جا رہے ہیں
اے ہستی تو کھینچ نقشِ باطل   ہم ہیں تو اسے مٹا رہے ہیں

نگہ کہ بے اثر انفاس سرد ہوتے ہیں   مجھی سو کیا کوئی سب اہلِ درد ہوتے ہیں

آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں   کہئے ہم اعتبار کرتے ہیں
چلئے قائم کہ رفتگاں اپنا   دیر سے انتظار کرتے ہیں

وہ ہے کون دن کہ ترے لئے مجھے ہجر گلی میں گزر نہیں
ہے یہ کیا ستم کہ تجھے سخن مری اب تئیں بھی خبر نہیں
ترے ناز غمزہ کا لے میاں نہ ہوا یاں کسی سے مقابلہ
جو کرے تھا سینہ سپر سدا سو اب اس جگر کو جگر نہیں

جاتے ہو گر خواہ مخواہ   فبہا، بہتر، بسم اللہ
یکشب جس نے دیکھی وہ زلف   لاکھوں دیکھے روزِ سیاہ
اتنی تو مت ہو جلد نسیم   ہم بھی چمن تک ہیں ہمراہ
کوندے ہے دل پر برق سی آج   پیش نظر ہے کس کی نگاہ

ذیل کا قطعہ اربابِ سخن میں کافی معروف ہے:۔

اب کی جو یہاں سے جائینگے ہم   پھر تجھ کو نہ منہ دکھائینگے ہم
مشکل ہے نہ آنا تجھ گلی میں   پر یہ بھی سہی نہ آئینگے ہم
ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا   ٹک دور سے دیکھ جائینگے ہم
جینے ہی سے ہاتھ اُٹھائینگے لیک   باتیں نہ تری اُٹھائینگے ہم
اسپر بھی اگر ملیں گے تو خیر!   قائم ہی پھر کہائینگے ہم

قائم کے وہاں ایک مجموعی خصوصیت بہت روشن اور نمایاں ہے اور وہ یہ کہ ان کا سارا کلام ایک دھن میں ہے انکے آہنگ میں تنوع برائے نام ہے یا شاید نہیں ہے اور یہ آہنگ سوگ کا آہنگ ہے۔ یہ بات ان شاعروں میں بھی نمایاں ہے

جن کے نام قائم کی صف میں گنائے گئے ہیں۔ اسکو حسن سمجھئے یا عیب سمجھئے لیکن اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ان شعرا کا شعورِ محبت محدود رہ گیا اور انکے ادراک زندگی نے آگے ترقی نہیں کی۔ وہ میر اور درد کی طرح اس منزل ارتقا تک نہیں پہنچ پائے جہاں غم اور خوشی کی سرحدیں مل جاتی ہیں، جہاں غم سے خوشی بھی ہو سکتی ہے اور خوشی غم بھی ہو سکتا ہے۔

میں نے قائم کی ہجوگوئی سے اس مقالہ میں بحث کرنا غیر متعلق سمجھا، ہجوگوئی اس زمانہ کی ایک عام فنی خصوصیت تھی، اور بڑے سے بڑا شاعر مبتذل سے مبتذل اشعار کہنے میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا لیکن قائم کی اصل شان انکا تغزل ہے اور اسی کے بدولت وہ غیر فانی رہینگے۔

کلیاتِ میر

کا زریں ایڈیشن

آٹھ سنہری جلدوں میں

ایوان اشاعت نے بڑی کوشش و کاوش کے بعد اسکا انتظام کیا ہے کہ استاذ الاساتذہ خدائے سخن میر کے کلیات کو بہترین کتابت، بہترین طباعت، بہترین کاغذ اور بہترین جلد کے ساتھ آٹھ جلدوں میں شایع کیا جائے۔ چنانچہ کلیات میر مطبوعہ نولکشور پریس کو دو ایک قلمی اور نیز پرانے مطبوعہ نسخوں سے ملاکر اور تصحیح و تحشیہ کے بعد اس کام میں ہاتھ لگا دیا ہے۔ پہلی جلد دو تین ماہ میں شایع ہو جائے گی۔ پورے سٹ کی قیمت للعہ روپیہ کے درمیان ہو گی۔ جو لوگ ابھی سے اپنا نام خریداروں کی فہرست میں درج کرا لیں گے ان سے محصول ڈاک وغیرہ نہیں لیا جائے گا۔

منیجر ایوان اشاعت گورکھپور

کلام فراق

از حضرت فراق گورکھپوری بی اے

اُمیدِ مرگ تا کسے زندگی کا دردِ سر کب تک — یہ مانا صبر کرتے ہیں محبت میں مگر کب تک
پھرائے گردشِ تقدیر ان کو دربدر کب تک — اُڑائیں خاک دیکھیں آپ کے شوریدہ سر کب تک
ابھی تو بڑھتی ہی جاتی ہے بیتابی تشفی سے — علاجِ دردِ دل ہوتا ہے دیکھیں کارگر کب تک
ارے او چھپنے والے عشق ہے بس منتظر اسکا — حجابِ حُسن بڑھ کر حسن کا ہو پردہ در کب تک
نویدِ قوتِ پرواز لائی حدِ مجبوری — اسیرانِ قفس آخر رہیں بے بال و پر کب تک
خیالِ زلف و رخ ہائے اہلِ زنداں ہوش میں آؤ — دیارِ حُسن کی یہ شام کب تک یہ سحر کب تک
بہارِ زندگی کو تو بہارِ جاوداں سمجھا — مگر یہ بھی کبھی سوچا کہ یہ رقصِ شرر کب تک
فراق آتی ہیں کام ایسی بھی تدبیریں محبت میں — کسی کو ہجر میں بھولے رہینگے ہم مگر کب تک

تمھیں سمجھائیں کیونکر زندگی کو کیا سمجھتے ہیں — سمجھ لو سانس لینا خودکشی کرنا سمجھتے ہیں
جہاں کی فطرتِ بیگانہ میں جو کیفِ غم بھر دیں — وہی جینا سمجھتے ہیں وہی مرنا سمجھتے ہیں
بھلا دیں ایک مدت کی جفائیں اس نے یہ کہہ کر — تجھے اپنا سمجھتے تھے تجھے اپنا سمجھتے ہیں
سبھی کے ساتھ ہیں سب کے شریکِ شادی و غم ہیں — ترے بے صبر آخر صبر کر لینا سمجھتے ہیں
یہ کہکر آبلہ پا روندتے جاتے ہیں کانٹوں کو — جسے تلووں میں کر لیں جذب اُسے صحرا سمجھتے ہیں
کہاں کا وصل تنہائی نے اپنا بھیس بدلا ہے — ترے دم بھر کے جل جانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں
فراق آساں نہیں دل کا ٹھہرنا ہجر میں ورنہ — سحر ہونے کو ہم بھی رات کٹ جانا سمجھتے ہیں

محبت کی فریب کاریاں

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو ایوان بابت جولائی و اگست ۱۹۳۴ء)

(۱۲)

پریم کوٹی

میاں پرکاش! "مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے"۔ تم سمجھتے ہو اور کہتے ہو کہ میں روز بروز وحشی اور جاہل ہوتا جاتا ہوں مجھے سب تسلیم! اس کا رونا کہاں تک روؤ گے کہ میں اپنی ساری ادبیت اور فلسفیت کھوتا چلا جاتا ہوں جس کا اہل ذوق کو ماتم کرنا چاہئے۔ خیر! دوسرے ماتم کریں کرنے دو۔ لیکن رونا تو مجھے اس بات کا ہے کہ تم بھی اُسی "حلقۂ ماتم" میں داخل ہو گئے۔ تم خود بھی میری طرح نیم مفلوج ہو چلے ہو، کیا تم کو بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ:-

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کہاں کی رُباعی کہاں کی غزل

پرکاش! اب صرف چند ایسی ہستیاں باقی رہ گئی ہیں جن سے بات چیت کرنے یا خط و کتابت رکھنے کو جی چاہتا ہو۔ اور ان ہستیوں میں بھی زیادہ تر ایسی ہیں جن سے اب میں محض وضع نباہ رہا ہوں۔ سوچتا ہوں تو ایک تم ایسے ہو جس سے کبھی مل کر دو باتیں کرنے کا جی چاہتا ہے۔ یا اگر ملنے کی صورت نہ نکلتی ہو جیسا کہ عرصہ سے نہیں نکل رہی ہے تو صرف خط و کتابت سے اپنے دل کا بوجھ کبھی کبھی ہلکا کر لینے کی خواہش ہوتی ہے۔ لیکن اسکے لئے بھی دل ٹھکانے ہونی کی ضرورت ہے۔ تم جان کر انجان بنتے ہو۔ آخر اس کو کیا کہتے ہیں؟ پرکاش! اگر اس شعر کے معنی سمجھنا ہو تو مجھے دیکھو اور میری زندگی پر غور کر جاؤ:-

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا

تم میرے سوانح حیات کے جزئیات سے جیسا واقف ہو کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ تم جانتے ہو کہ پیدائش سے لے کر اس وقت تک دُنیا مجھ سے ناموافق رہی، ماحول میرا دشمن رہا، زمانہ نے مجھے ستایا مقدر نے مجھے چین نہیں لینے دیا، زندگی نے مجھ کو فریب پر فریب دئے، پھر ضد اور تنفر میں میں نے بھی اپنے کو خوب ستایا اور خود اپنے ساتھ دغا کی۔ میں اپنی زندگی اور اُسکے آغاز و انجام پر غور کرتا ہوں تو بے طرح یہ شعر یاد آتا ہے:-

بحرِ مواج میں قطرہ کا تماشا دیکھو
ناخدا چھوڑ چلا ہے سرِ قلزم مجھ کو

اور اب اگر میں انتہائے یاس و بیزاری میں ڈوب جانے کیلئے ہاتھ پاؤں ماروں تو کسی کو مجھ سے مؤاخذہ کا کیا حق ہے؟-

میں نے ابھی کل پرسوں ایک غزل بیٹھے بیٹھے کہہ ڈالی۔ اُس کا ایک شعر یہ ہے۔ خیال شاید بہت عام اور فرسودہ ہے۔ لیکن اس پہلو کو نظر انداز کر دو اور صرف اتنا یاد رکھو کہ یہ شعر

میرے دل سے نکلا ہے اور میرے سئے واقعیت اور خلوص سے لبریز ہے۔ سُنو!

کہاں فریاد لے جاؤں کہاں تجھ سے اماں پاؤں
فلک تیرے رفیقوں میں زمیں تیرے امینوں میں

تم شاید کہو کہ "تم کو اگر خلوص اور واقعیت پر ناز ہے تو بتاؤ کہ اس ضمیر کا مرجع کون ہے؟"

پر کاش! کیا بتاؤں سب سے بڑا سنگین اور المناک واقعہ یہ ہے کہ مجھے آجتک اُس "ضمیر" کا "صحیح مرجع" معلوم نہ ہو سکا۔ اتنا جانتا اور سچے دل سے مانتا ہوں کہ یہ "ایک تو" کی ساری ستمگاریاں ہیں۔ زندگی ایک ابدی مفارقت ہے۔ بقول حاتم "پیا" کا نہ ملنا زندگی کو دردِ سر بنا کر رکھدیتا ہے، اور میرا اب یہ عقیدہ ہے کہ "پیا" کبھی ملتا نہیں۔ مجھے زندگی میں کتنے بار یہ دھوکے ہوئے کہ میرا "پیا" مجھے مل گیا ہے، مگر یہ سب ایک ساطلسم تھا جو دیکھتے دیکھتے ٹوٹ گیا۔ ایک شعر اور سنو:۔

جو تیرے آستاں کی ٹھوکریں کھا کر نکلتے ہیں
زمین و آسماں کے بھر سنبھالے کب سنبھلتے ہیں

اس شعر میں اشارہ یقیناً نسرین کی طرف ہے۔ وہی نسرین جس کی طرف اب میری طبیعت کسی طرح مائل نہیں ہوتی ہے۔ یہ میری زندگی کا اولیں فریب تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر سب سے پہلے مجھے یہ ٹھوکر نہ لگی ہوتی تو میں اب تک یوں تیورا نہ رہتا۔ مگر کون جانتا ہے، ممکن ہے کسی اور جگہ ٹھوکر کھاتا۔ دیکھتے ہو باوجود اسکے کہ بقول تمہارے میں "دہقانی" ہو کر رہ گیا ہوں اور میری زندگی میں شعریت کا کوسوں پتہ نہیں ہے۔ باوجود اسکے کہ اب "جنونِ عشق کے انداز" میرے اندر نہیں پائے جاتے ہیں اب بھی شاعری اچھی کر لیتا ہوں مگر صرف اس لئے کہ بقول تمہارے:۔

شبِ فراق میں نالوں سے جی بہلتا ہے
شکستِ دل کی صدائیں ہیں کارگر نہ سہی

تم جانتے ہو میری زندگی شیلی کی طرح اس ایک "نقاب پوش دوشیزہ" کی جستجو میں صرف ہو گئی جس کی جھلک تو میں نے دیکھنے کو بارہا دیکھی مگر جو بے مجھے واقعی کبھی ملی نہیں۔ اور اب میں یہ سمجھنے لگا ہوں کہ زندگی ایک حکم نامہ ہے دائمی قید تنہائی کا۔ انسان اور کم سے کم مجھ سے انسان کا مقدر یہی ہے کہ دُنیا میں نہ ان کا کوئی مونس ہو نہ ہمدم۔ جو لوگ میری طرح دُنیا اور زمانہ کی سطح سے اپنی تخئیل میں اتنا دور ہوں، انکا کوئی ساتھ نہیں دے سکتا۔ ایسے لوگوں کو اپنی تخئیل کو سے کر بالآخر عمر بھر یکہ و تنہا زندگی کے دن کاٹ دینا ہے۔

تم نے نظیر اکبر آبادی کی وہ "ہنس" والی نظم پڑھی ہوگی اپنے ایک دوران قیام میں اُس نے کتنے رفیق پیدا کر لئے تھے۔ اور جب بیچارہ وہاں سے کوچ کرنے لگا تو سب کے سب رفیق بالاتفاق اُسکے ساتھ ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رفیقوں کے خلوص نیت میں شبہہ کی گنجایش نہیں لیکن جو بات امکان سے باہر ہو وہ اگر نہ ہو سکے تو اسپر لعن وطعن بے معنی سی بات ہے۔ "ہنس" کے رفیقوں میں سے ایک بھی آخر تک اُس کا ساتھ نہ دے سکا، ایک ایک کر کے سب پیچھے چھوٹ گئے اور آخر کار "ہنس بیچارہ" تن تنہا بے یار و مددگار رہ گیا

یہ قصہ مجھے ایک تمثیل کی حیثیت سے ہمیشہ مرغوب رہا ہے۔ مجھے ساری زندگی ایک "المناک" نظر آتی ہے۔

تم نے حال میں جتنی نئی باتیں میرے یا میری موجودہ زندگی کے متعلق سُنا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہیں۔ اور اسکے علاوہ شاید اور بہت سی باتیں صحیح ہوں جن کا تم کو کوئی علم نہو، مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسپر لوگ مجسم استفسار و حیرت کیوں بن جاتے ہیں۔ اور کم سے کم تم کو تو۔

"عشق ہر ساعت در آویزد بہ دامانِ دگر"

کے راز سے آگاہی ہونا چاہئے۔ تم آخر اتنے نادان کیوں بن جاتے ہو؟ تم کو "آلام ورتھر" (SORROWS OF WRTHER) یاد ہے۔ اسکی قدر و منزلت کے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں، جتنی زبانیں اُتنی رائیں۔ میری نظر میں اس داستان خونیں کی کچھ اور اہمیت ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی المناکی دُنیا میں رہ کر اپنے کو دُنیا سے اجنبی پانا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ورتھر نے خودکشی اس لئے کی کہ لاٹ جس کو دراصل اس سے پاک اور معصوم محبت تھی۔ اسکی نا رسا خواہشوں کو آسودہ کرنے پر راضی نہیں ہوئی، لاٹ دوسرے کی بیوی تھی اور اپنے شوہر کے حقوق کو ایک لمحہ کیلئے بھی نظر انداز کرنا گوارا نہیں کرسکتی تھی۔ مگر بر کاش! تم کو مجھ سے شاید اتفاق ہو کہ ورتھر پر یہ صریح بہتان ہے، ورتھر اتنا فرمایہ نہیں تھا۔ اس المناک کا اصل راز وہی ہے جو غالب کے اس شعر کا ہے

خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

جس بات نے ورتھر کا کام تمام کردیا وہ لاٹ کی یہی "معشوقی و بے حوصلگی" تھی۔ ورتھر لاٹ کے اندر وہ جذب و انہماک، وہ سوز و تپش، وہ خستگی و رنجوری نہیں پاتا تھا جس نے خود اُسکی زندگی کو ایک مستقل عذاب بنا رکھا تھا۔ وہ لاٹ کے اندر ایک تڑپ، ایک والہانہ بیخودی، ایک عاشقانہ بلند آہنگی چاہتا جو خود اُسکی تخئیل کی خلقت تھی۔ جب آخر کار اس پر اس المناک حقیقت کا انکشاف ہوگیا کہ لاٹ اُسکی تخئیلی لاٹ نہیں ہے تو وہ اس بات کی تاب نہ لاسکا اور وہ اتنا افسردہ ہوا کہ آخر کار اپنی شمع حیات ہی بُجھا دی۔ غرضکہ میرے خیال میں جس غم نے ورتھر کو مارا وہ دراصل یہ غم تھا۔

جو چیز ہے یاں سے ہے فروتر
کیا جانئے کس مقام پہ ہوں

تمھارے کانوں میں اگر یہ خبر پہنچی ہے کہ ان دنوں میں چمپا نامی ایک چمار کی لڑکی سے شدید اُنس رکھتا ہوں تو غلط نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں اگر میرا بس چلے تو میں اُسکو عمر بھر کے لئے اپنی زندگی کا شریک بنالوں۔ ہاں میری اشتراکیت اب اسی انفرادی حد تک پہنچ گئی ہے۔ مجھے اب بھی تم سے یہ اُمید ہے کہ تم دُنیا والوں کی طرح یہ خبر سُن کر سر نہیں پیٹوگے۔ اگر خوش نہیں ہوگے تو مجھ سے کچھ زیادہ مایوس بھی نہوگے۔ ہم لوگ اب بھی کم سے کم اپنے خیال میں سطح عام سے اتنا بلند ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر مرد اور عورت میں شادی حرام نہیں ہے تو چمپا سے شادی کیوں نہ کی جائے؟ وہ کس اعتبار سے کسی دوسری عورت سے کم ہے؟

پرکاشس! تم آؤ اور چمپا کو دیکھو اور فیصلہ کرو کہ
آج تک جتنی عورتوں سے مجھے سابقہ پڑا ہے ان میں کوئی ایسی
نہیں جس کے سامنے چمپا ٹھہر سکتی ہو اور جب اسکی معصومیت،
اسکی سادگی اور بیخودی، اسکے جذبۂ خلوص و ایثار کو دیکھتا
ہوں تو وہ مجھے ان تمام عورتوں سے فائق نظر آتی ہے۔ اللہ!
اللہ! وہ میرے لئے کیا کیا گوارا نہیں کر رہی ہے، احباب کے
طعنے، دنیا کی سرزنش، برادری والوں کی دھمکیاں، اپنے
زمینداروں کے ظلم و تشدد، سب کچھ ٹھنڈے کلیجے برداشت
کر رہی ہے اور ماتھے پر بل نہیں لاتی۔ مجھے اسکی خوشی بھی ہے اور
غم بھی کہ چمپا مجھ پر عاشق ہے اور پرکاش! اس شعر کا صحیح
مفہوم سمجھنا ہو تو چمپا کو دیکھو:-

توی دل شاد ماں دل، پارسا دل
ترے عاشق نے بھی پایا ہے کیا دل

لیکن ان سب نکات و رموز سے برطرف ہو کر صرف یہ دیکھو
کہ وہ صورت شکل، رنگ روپ میں کیسی ہے؟ اسکا ایک
جواب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آؤ میری نظر سے دیکھو۔ مگر نہیں
چمپا کی صورت واقعی نہایت دلفریب ہے، وہ کسی طرح اس عالم ناسوت
کی چیز نہیں معلوم ہوتی۔

صورت کو دیکھئے یا سیرت کو وہ ہر طرح قدسیوں سے
نزدیک تر نظر آتی ہے۔ اسکی آنکھوں میں ایک معصومیت، اسکے
ہونٹوں میں ایک مستانہ بھولاپن اور سر سے پاؤں تک اسکے
سڈول نرم و گرم بدن میں ایک الوہی نزہت ہے۔ اسکے حسن
سے ہر کس و ناکس اپنی اپنی قابلیت کے مطابق اثرات قبول کر کے
بے حواس اور بے اختیار ہو جاتا ہے، ایک بندۂ نفس اسکو
دیکھ کر بے قابو ہو جائے گا اور اپنی ساری قوت اس کوشش
میں صرف کر دیگا کہ اسپر قابو پائے اور اس سے اپنی نفسانیت
کو آسودہ کرے۔ ایک شاعر اس کو سرسوتی یا کوئی یونانی میوز
سمجھ کر اپنے الہامات شعری کا ذریعہ بنانا چاہیگا۔ ایک صوفی
اس کو "مظہر" یا حسن ازل کا عکس سمجھ کر پوجنے لگے گا۔

جب کبھی شام کے وقت آمی کے کنارے ہو کے عالم
میں چمپا میرے ساتھ ہوتی ہے تو وہ کسی طرح اس دنیائے
آب و گل کی مخلوق نہیں معلوم ہوتی۔ ایک دن وہ مجھ سے کچھ
پہلے ندی کے کنارے پہونچ گئی تھی اور جب میں پہونچا تو وہ نہا کر
ندی سے باہر آ چکی تھی اور کھڑی بال سکھا رہی تھی۔ مجھے تھوڑی
دیر کے لئے یقین ہو گیا تھا کہ افرودیطی ہے جو پانی کے جھاگ
سے ابھی نکلی ہے اور اپنا بھیگا ہوا جسم خشک کر رہی ہے۔
اس کو اگر مبالغہ نہ سمجھو تو تم کو کافی اندازہ ہو جائے گا کہ چمپا کیا
ہے اور کیسی ہے۔ "بس" بہار بستر و نوروز آغوش" سمجھو۔

پھر تمہیں بتاؤ کہ کوئی اسکے پیچھے دیوانہ کیوں نہ ہو۔
اور اس کو اپنی بنانا کیوں نہ چاہے؟ کیا صرف اس لئے کہ
وہ چمار کی لڑکی ہے اور فاقہ اور ناداری میں دن گزار رہی ہے
اور جو اسکا دیوانہ ہے وہ سید زادہ اور امارت کے اسباب
مہیا رکھتا ہے؟ یہ تو کفر صریح ہے۔ جن لوگوں کی سمجھ میں یہ بات
نہیں آتی وہ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا کی
بین مثالیں ہیں۔ اور سب بحثوں کو چھوڑ دو۔ اگر خدا کسی کی
شعور ہستی کا نام ہے اور اگر اسکے متعلق یہ کہنا صحیح ہے

کہ اللہ جمیل و یحب الجمال تو اُسکو یقیناً ہم لوگوں کا یہ اور یہ عدوان ناگوار ہوگا۔

پرکاش! چمپا کے خیال نے مجھ سے ایک رباعی کہلوائی ہے۔ سُنو اور مزے لو!:-

عیش و طرب جہانِ فانی معلوم
جب تجھ ہی نہیں تو کامرانی معلوم
جو سانس ہے تیرے نام کی ہے تسبیح
تجھ کو بھولے تو زندگانی معلوم

مگر پرکاش! میں بھی کہاں بھٹک رہا ہوں؟ یہ سب اپنی تخئیل کی بلندی ہے جسپر انسان مستقلاً قائم نہیں رہ سکتا انسان اگر انسان ہے تو اُس کو اپنی بلندی سے پستی میں گرنا ہے۔ کہاں میں اور کہاں چمپا کے ساتھ شادی کا خیال! کہاں چمپا اور کہاں اُسکو عمر بھر کے لئے اپنی بنانے کی آرزو ایک شعر اور سُنو جو ابھی کل رات کہا ہے:-

بساطِ شوق کہاں وسعتِ جمال کہاں
یہ لے گئی مجھے رعنائی خیال کہاں

چمپا میری رفیقِ زندگی بن ہی نہیں سکتی۔ دُنیا کے رسوم و قیود میں ہر شخص گرفتہ ہے۔ چمپا کے ماں باپ اسکو گوارا نہیں کرسکتے۔ خود چمپا ایک لمحے کے لئے اس خیال کی تاب نہیں لاسکتی کہ وہ میری بیوی بھی بن سکتی ہے۔ وہ اس خیال سے اس طرح کانپ اُٹھتی ہے گویا یہ کوئی بڑا بھاری پاپ ہوگا۔ وہ میری خدمت میں ہنستی ہوتی رہتی ہے، اور اسکے لئے ہر طرف سے طعنے، گالیاں اور آوازے سُنتی رہتی ہے، اور ہنسی خوشی سب کچھ برداشت کرتی رہتی ہے۔ بارہا وہ اعتراف کر چکی ہے کہ اُسکو میرے ساتھ شدید محبت ہے۔ لیکن باایں ہمہ جب کبھی میں اس طرف اشارہ کرتا ہوں کہ اس طرح آزاد رہکر ہم لوگ رفاقت قائم نہیں رکھ سکتے، پھر کیوں نہ ہم شادی کر لیں اور مفارقت کے اندیشہ کی طرف سے عمر بھر کے لئے مطمئن ہو جائیں تو وہ سراسیمہ ہو جاتی ہے اور ہیبت و اندوہ کے لہجہ میں کہتی ہے "تو کچھ میرے دل سے پوچھئے کہ میں کہاں تک آپ کی ہوں۔ میں اگر آپ کی نہیں تو کسی کی نہیں۔ لیکن یہ بے دھرمی ہے۔ میں چمار کی لڑکی آپ سید کے بیٹے۔ میں ایک دُکھیاری مزدور، آپ نازوں کے پالے زمیندار، میں جاہل، آپ عالم و فاضل، یہ بات ایشور کو بھی ناپسند ہوگی کہ میں آپ کی بیوی بن جاؤں اور کل سیاہ و سپید کی مالک کہلاؤں۔ آخر آپ کو اسی حالت پر اطمینان اور بھروسہ کیوں نہیں ہے۔ بابو جی! کہتی تو ہوں کہ میرا بال بال آپ کا ہے۔ اس سے زیادہ کی ہوس کرنا نا سمجھی ہے۔"

سُنا پرکاش! یہ ہیں اُس عورت کے خیالات جو آٹھوں پہر میری محبت کا دم بھرتی ہے اور جو مجھ پر اپنی جان نچھاور کر دینے کا دعویٰ رکھتی ہے۔ پھر تمھیں بتاؤ اس زندگی میں اور کیا اُمیدیں کی جاسکتی ہیں اور کس سے جب ایشور کو بھی ہماری محبت کی بلند آہنگی اور صداقت بُری معلوم ہوگی تو پھر زندگی میں فلاح و بہبود معلوم۔

قصہ مختصر جہاں تک میری زندگی کا چمپا سے تعلق ہے اُسکا مستقبل ایک دم تاریکی میں ہے اور چونکہ اب میں اپنی نجات کا دار و مدار چمپا پر سمجھنے لگا تھا اس لئے میری ساری زندگی ہی

تیرہ و تار نظر آتی ہے ۔ اور پرکاش! ایمان کی تو یہ ہے کہ اب میں خود اپنے دل سے سوال کرنے لگا ہوں کہ بفرض محال چمپا میرے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ بھی ہو جائے تو وہ کہاں تک میری زندگی میں آہنگ اور توازن پیدا کر سکے گی - آخر وہ اختلاف کہاں جائیگا جو تعلیم و تربیت اور پشتہا پشت کی تہذیب معاشرت سے پیدا ہو جاتا ہے۔ کیا چمپا میرے ذوق علم و ادب اور وجدانات شعری کو بھی آسودہ کر سکے گی - اگر نہیں تو پھر یا تو میں چمپا کی سطح پر آجاؤں جو اس جنم میں تو محال ہی ہے، یا پھر اس جنون عشق سے توبہ کر لوں جو ممکن تو ہے مگر میری زندگی میں پھر وہی جذباتی خلا نظر آتا ہے جس نے میری ایک ایک سانس کو مجھ سے بیگانہ بنا رکھا ہے -

دیکھو آل کار کیا ہوتا ہے۔ جس زندگی کا بچپن نسرین کی ناکام اور اندوہناک محبت سے شروع ہوا اُس کا حشر اب اپنے اندھے مقدر ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بس! -

"آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"

پرکاش! میں نے ساری دُنیا سے مُنھ موڑ کر اور ہر طرف سے پاؤں سمیٹ کر اس کور دہ کو اس لئے اختیار کیا تھا کہ اپنی زندگی کے باقی دن مجبوروں اور محتاجوں کی خدمت میں صرف کر دوں گا اور اس دُھن ہی میں اپنے کو طرح طرح کے خطرات میں ڈال رہا ہوں - لوگوں کا خیال ہے کہ میں انسان کی راہ میں مٹ رہا ہوں - بعض تو اسکو محض حماقت سمجھ کر مجھ پر لعن طعن کرتے ہیں اور بعض مجھے صاحب دل اور صاحب درد سمجھتے ہیں اور میرے ساتھ ارادت و عقیدت رکھتے ہیں - لیکن اصل حقیقت میرے دل سے پوچھو - بمبئی والی سرلا کا خیال شاید اتنا غلط نہیں کہ سیاسی جنون کچھ میری عادت سی ہو کر رہ گیا ہے -

پرکاش! میرا اعتقاد یہ ہے کہ انسان کی زندگی کی سب سے بڑی شامت بیدلی و بے حوصلگی ہے - اور جب انسان کے دل میں ولولہ نہ ہو اور جب اُسکے اندر ایک نشاط کار سا نہ پایا جائے تو پھر وہ جو کچھ کرتا ہے سراسر غرور و فریب ہوتا ہے - میں اپنے اندر کوئی جوش اور کوئی حوصلہ نہیں پاتا پھر کس مُنھ سے کہوں کہ جو کچھ کر رہا ہوں اُس میں خلوص ہے - میں اگر اپنی موجودہ زندگی کے لئے کوئی مختصر اور جامع عنوان قائم کروں تو وہ "بے کیفی" ہوگا - بس کچھ یوں ہی سی بسر ہو رہی ہے اور میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کو محض اضطرار کہا جا سکتا ہے - خیال تھا کہ چمپا کی رفاقت شاید میرے کھوئے ہوئے حوصلۂ زندگی، خلوص عمل اور نشاط کار کو واپس لا سکے - مگر یہ بھی کچھ وہم ہی سا نکلا -

خط بہت طویل ہو گیا اور دیر بھی خاصی ہو گئی اس لئے اب جو کچھ باقی ہے اُسکو آئندہ پر اُٹھا رکھو - لیکن وعدہ نہیں کرتا کہ کب لکھوں گا اس لئے کہ وعدہ پورا کرنے کا کبھی یقین نہیں رہتا - مجھے خود اپنے ارادہ پر اب اعتماد نہیں رہا -

تمھارا

یوسف

(۱۳)

کال کوٹھری -

بھائی جان! خیر! میں یہ شکایت تو کر نہیں سکتی کہ تم

مجھے اپنی صورت ہی نہیں دکھاتے، اس لئے کہ مجھے اسکی امید ہی کم رہی - لیکن اس کا غم ضرور ہے کہ آج چھ مہینے سے تم نے کوئی تحریر بھی نہیں بھیجی جس کو میں آنکھ سے لگا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتی - میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب جبتک کہ تم خود میری خبر نہ لو میں اتم کو خواہ مخواہ نہیں چھیڑوں گی لیکن آج طبیعت بے طرح اُمڈ رہی ہے اور آنسو نہیں نکلتے -

آج مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم کو کوئی مہینہ بھر سے ہلکی ہلکی حرارت رہنے لگی ہے اور تم خود اسکی کوئی فکر نہیں کرتے - یہ کہنا تو بالکل بے سود ہے کہ احتیاط سے کام لو اور کچھ دن آرام کرو اس لئے کہ احتیاط اور آرام دونوں سے تمھیں ضد ہے - لیکن بھائی جان! میری روح تم کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہے - جس نے مجھے تمھاری بیماری کی خبر سُنائی اُس نے خود یہ خبر چمپا سے باتوں باتوں میں سُنی تھی اس لئے اسکے غلط ہونے کا امکان بہت کم ہے - مگر خدا کرے یہ خبر غلط ہو اور تم بھلے چنگے ہو -

میرا اپنا حال کیا کہوں، بیمار ہوں، حرارت بدستور قائم ہے، مُنہ سے کبھی کبھی خون آجاتا ہے - لیکن اول تو مجھے اپنی زندگی عزیز نہیں - اور اگر ہو بھی تو اب تو تمھاری فکر میں اپنا سارا دُکھ درد بھول گئی - بھائی جان! میں تمھاری صحت کی طرف سے یکایک اندیشہ ناک ہوگئی ہوں اور میرا دل دھڑکنے لگا ہے میں نے کبھی اس امکان پر غور ہی نہیں کیا تھا - خدا کے لئے اپنے کو بچاؤ اور زندہ رہو - کم سے کم اُس وقت تک جبتک کہ میں سخت جان جیتی ہوں - ورنہ یہ دُنیا میرے لئے اور جہنم ہو جائے گی - یوں ہی میری زندگی کیا کم عذاب ہے - لیکن مجھے ابھی یہ سہارا ہے کہ تم بھی اسی دُنیا میں ہو جس میں میں نیم بسمل تڑپ رہی ہوں اگرچہ بظاہر تم میں اور مجھ میں کوئی تعلق باقی نہیں ہے - اب مجھ یہ بھی گوارا ہے کہ تم چمپا کے ساتھ شادی کر لو جیسا کہ تم مصمم ارادہ کئے ہو - اگر اس طرح تمھاری جان محفوظ رہے - میں جانتی ہوں چمپا کے ساتھ تمھارا تعلق مجھے گوارا ہو یا نہ گوارا ہو اب تمھیں اسکی پروا نہ ہوگی اور تم وہی کروگے جو تمھارے دل میں ہوگا - پھر بھی میں اپنے دُکھے ہوئے دل کے خلوص کو کیا کروں - چاہے تم کو اس معاملہ میں میری رضاجوئی کی ضرورت ہو یا نہ ہو میں ہنسی خوشی اپنی اجازت دیدیتی ہوں کہ تم چمپا کے ساتھ جلد سے جلد شادی کر لو اور اپنی زندگی کو سنبھال لو - میری بھی فلاح اسی میں نظر آتی ہے - جتنے دن مجھے اور مر مر کے جینا ہے کم سے کم اُتنے دن تو اس اطمینان میں گزریں کہ تم بھی جی رہے ہو - ورنہ سچ پوچھو تو اب اپنا یہ حال ہے :-

یادِ سفرِ ملک عدم دل سے لگی ہے
ہر دم مجھے لَو گور کی منزل سے لگی ہے

میں نے پرسوں سُنا کہ تم سے اور عزیز میاں سے فوجداری ہوتے ہوتے رہ گئی اور ابھی اس کا اندیشہ باقی ہے میں خوب جانتی ہوں کہ عزیز میاں کو تم سے کیا پرخاش ہے اور مجھے تمھارے دل کا حال بھی صحیح معلوم ہے - لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ساری آفتیں تم چمپا کے لئے اُٹھائے ہوئے ہو لیکن میں تم کو سب کچھ سمجھ سکتی ہوں ریاکار نہیں سمجھ سکتی، تم بچپن سے دردمند دل رکھتے تھے - مجھے یقین ہے کہ ان ظلم رسیدوں اور

بےکسوں پر واقعی تمھارا دل خون ہوتا ہے - اگرچہ مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ چمپا نے تمھارے اس جذبۂ انسانیت اور خلق پرستی کو پر لگا دئے ہیں - لیکن میں تمھاری اس دوا دوش اور محویت کی صرف یہ تاویل نہیں کر سکتی -

سر من بہ سجدہ ہر دم بہ ستانہ در آید
مگر اندر آستانت بہ بہانہ در آید

تم محض چمپا کے لئے ساری دنیا سے برسر پیکار نہیں ہو - چمپا نہ بھی ہوتی تو تم یہی کرتے - یہ اور بات ہے کہ تمھاری کوششوں میں اسوقت شاید اتنا جوش اور ولولہ نہ ہوتا - تمھارے نشہ میں یہ جو تندی ہے وہ یقیناً چمپا کی پیدا کی ہوئی ہے - لیکن بھائی جان! تمھارا ساتھ کوئی نہیں دیگا - جو لوگ تمھارا ساتھ دے سکتے ہیں اُن میں اتنی سکت نہیں - اور جو لوگ تمھارے دشمن ہیں وہ قوت اور اقتدار رکھتے ہیں - سب جانتے ہیں کہ تمھارے رشتہ دار تم سے متنفر ہیں - آس پاس کے زمیندار تم سے بغض و عناد رکھتے ہیں - حکام تمھارے دشمن ہیں - سرکار بہانہ ڈھونڈھ رہی ہے کہ کسی طرح تم اسکی گرفت میں آؤ - بنئے بقال تمھارے خلاف کوششوں میں لگے ہوئے ہیں - ایسی حالت میں تمھاری شکست دھری ہوئی ہے - اگر تمھارے ایثار اور خود باختگی سے کسی کو کوئی فائدہ ہوتا تو ایک بات تھی - لیکن جب اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہونچتا نظر نہیں آتا تو اس طرح محض اپنے کو مٹا ڈالنا کیا معنے رکھتا ہے؟ تم نے اپنی زمینداری کو اسامیوں میں مفت تقسیم کر دی - اسکے معنے میری سمجھ میں نہ آئے - میں نے تو ایک دفعہ یہ بھی اشارہ کر دیا تھا کہ میرے مقبوضات بھی تمھاری مرضی پر ہیں جس طرح مناسب سمجھو کام میں لاؤ - تم نے کچھ التفات نہیں کیا لیکن بھائی جان! خدا کے لئے ساری دنیا کے جھگڑے کو اپنا جھگڑا بنا کر بے وجہ اور بے فائدہ اپنے کو برباد نہ کرو -

رات میں چمپا اور تمھارے تعلقات پر بڑی دیر تک سوچتی رہی - سمجھ میں بات نہیں آتی - تم اُسکو چاہتے ہو اور اُسکے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو - خواہ مخواہ اسکی جھوٹ سچ تاویل کر کے مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو - مجھے یقین ہے کہ تم چمپا کے ساتھ شادی کے آرزومند ہو - لیکن تمھاری اس نزاکت خیال اور لطافت جذبات کا کیا حشر ہوگا جسکی ہر جگہ دھوم ہے - تمھارا یہ سارا علم و فضل کیا ہوگا اور تمھارا ذوق شعر و فلسفہ کس سے آسودہ ہوگا؟ یا اپنی ہستی کے ان پہلوؤں کو بالکل بھول جاؤگے؟ - اول تو چمپا پر مجھے رہ رہ کر یہ شعر یاد آتا ہے :-

سودا ترا جو حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا

چمپا صورت والی ضرور ہے مگر کیا اس قدر کہ تم اُسکے پیچھے دیوانہ ہو کر رہ جاؤ - لیکن خیر! میں تمھاری خاطر سے یہ مانے لیتی ہوں کہ وہ لاکھ حسینوں میں ایک حسین ہے اور دور دور اسکی صورت کا جواب نہیں - پھر بھی ہے تو وہ ایک جاہل دیہاتی ہی جس کو کسی قسم کی جلا کسی طرح کی تہذیب نہیں نصیب ہوئی - وہ تمھاری طبیعت کی نزاکتوں اور لطافتوں کی کیا قدر کر سکتی ہے؟ وہ تمھاری وجدانیت اور شعریت کی

کیا داد دے سکتی ہے؟ یہ شعر کبھی تمھاری ہی زبان سے سُنا تھا سو آج تم پر اور چمپا پر صادق آتا ہے۔

زہبت نہ گوشۂ چشمے نہ چین ابروئے
بحیرتم کہ دلِ برہمن زکف چوں شد

خیر اب مجھے اس سے غرض ؟ مجھے تو صرف تم سے سروکار ہے مجھے اسوقت صرف تمھاری تشویش ہے۔ اس خط کے جواب میں اگر تم کھڑے کھڑے آجاؤ تو مجھے ایسا محسوس ہوگا کہ میری عمر رفتہ کا ایک حصہ واپس آ گیا۔

تمھاری خیر طلب
نسرین

---

(۱۴)

پریم کوٹی -

پیاری نسرین! تمھاری تحریر ملی۔ آج نہ جانے کیوں اسکو پڑھ کر آبدیدہ ہوگیا۔ اگرچہ اس میں کوئی ایسی نئی رُلانے والی بات نہیں تھی۔ ہاں کچھ دنوں سے مجھ کو حرارت رہنے ضرور لگی ہے۔ لیکن نہ میں اس کو کوئی قابل تشویش بات سمجھتا ہوں اور نہ تم اسکے لئے پریشان ہو۔ خود بخود جاتی رہے گی تمھاری بیماری کا سلسلہ البتہ عرصہ سے قائم رہ گیا ہے اور مجھے ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اور جب تمھاری زندگی ہی سراسر روگ ہو کر رہ گئی ہے تو پھر تعجب کس بات پر کیا جائے۔ مجھے تمھاری بربادی کا غم ضرور ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمھارے مُنھ سے خون آرہا ہے اور آج کسی کا یہ شعر حرف بحرف واقعہ ثابت ہو رہا ہے۔

صاف دیکھا ہے کہ غنچوں نے لہو تھوکا ہے
موسمِ گل میں الٰہی کوئی دلگیر نہ ہو

اور اس سے کس کو انکار ہوگا کہ تم کو عین "موسمِ گل" میں "دلگیر" ہونا پڑا۔ پھر اگر تمھارا دل خون ہو کر بہہ نکلا تو اس پر جتنا چاہو رو لو۔ لیکن یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں ہے۔ مجھے تمھارے حال کی پوری خبر ہے۔ لیکن میں خاموش تھا۔ سوا اسکے چارۂ کار کیا تھا؟ زندگی کی ایک حد وہ بھی ہے جہاں انسان کے لئے بہترین زبان بے زبانی اور بلیغ ترین بیان خموشی ہوتی ہے۔ میں اسی مقام پر پہونچ چکا ہوں جہاں نہ اپنے لئے کوئی تردد ہوتا ہے نہ دوسرے کے لئے کوئی فکر۔

اگر میں خود اس قدر بے کیف و بے مزہ نہ ہو چکا ہوتا تو آج تمھاری اس دبی ہوئی چھیڑ سے بڑا لطف اُٹھاتا جو تم چمپا کا نام لے لے کر میری ہمدردی کے پیرایہ میں مجھ سے کرتی ہو۔ لیکن اب تو کسی بات میں کوئی لذت نہیں ملتی۔

نسرین! میں اپنے اگلے پچھلے حالات پر اب غور کرتا ہوں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ اب تک مجھے صرف اپنی تخئیل کے ساتھ عشق رہا ہے۔ میں اپنے ہی تخئیل کو یکے بعد دیگرے تھوڑے عرصہ کے لئے دوسروں کے پیکر میں دیکھتا رہا ہوں جو محض فریب نظر ہوتا تھا۔

چمپا کے ساتھ میں شادی کرنا ضرور چاہتا تھا۔ مگر اب اسکو ایک بھولا ہوا خواب سمجھو! زندگی ایک پر صعب حقیقت ہے۔ ہماری تمناؤں کا پورا ہونا اور ہماری اُمیدوں کا

بر آنا ایسا آسان نہیں۔ چمپا اس خیال سے ایک لمحہ کیلئے بھی موانست نہیں پیدا کر سکتی کہ وہ میری بیوی ہو۔ آج تقریباً دو سال سے وہ میرا دم بھر رہی ہے اور میری رفاقت میں ثابت قدم ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھنا وہ بے دھرمی سمجھتی ہے۔ اُسکے گھر والے اُسکے لئے ایک دوسرا شوہر تلاش کر رہے ہیں۔ وہ خود دوسری شادی کی روادار نہیں وہ چاہتی ہے کہ یوں ہی دن گزار دے اور میری خدمت میں لگی رہے۔ لیکن رسوم دُنیا اس قسم کے سُست اختلاط کو کب تک قائم رہنے دیں گے۔

اب تو نسرین! وہ تم ہو یا سرلا یا چمپا میں جس کا تصور کرتا ہوں مجھے یہ شعر یاد آتا ہے

ہم سمجھے تھے جس کو مصحفی یار
وہ خانہ خراب کچھ نہ نکلا

نسرین! محبت اس دُنیائے بندگی و بیچارگی میں نباہی نہیں جا سکتی۔ جہاں اتنی مجبوریاں ہوں وہاں محبت کا نام لینا عبث ہے۔ آہ غالب نے کیا سچ کہا ہے :۔

مجبوری و دعوائے گرفتاریِ الفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

جس وقت تمھاری یہ تحریر ملازم نے لاکر مجھے دی میں گھر سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر راپتی کے کنارے اس ٹیلہ کے اوپر بیٹھا زندگی کے آغاز و انجام پر غور کر رہا تھا، جس کے ساتھ میرے بچپن کی نہ جانے کتنی یادیں وابستہ ہیں شام دھیرے دھیرے دُنیا پر چھا رہی تھی۔ دریا کے اضمحلال کا مجھ پر خاص اثر ہو رہا تھا۔ اسکی موجوں کی مدھم روانی میں میں اپنے افسردہ دل کی سست اور ضعیف دھڑکنوں کا جواب سُن رہا تھا، موت کا سکوت اور موت کا سوگ کائنات پر مُسلط ہو رہا تھا اور میرے دل کی طرح دُنیا کی ہر چیز خستہ و درماندہ ہو رہی تھی۔ اگر میری آنکھوں میں کچھ بھی نمی باقی ہوتی تو آج تمھارے خط پر شاید گھنٹوں آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹتا۔ لیکن جن آنکھوں میں خون بھی جم کر رہ گیا ہو اُن میں آنسوؤں کی سکت کہاں سے آئے ؟

تم کو بھی شاید یاد ہو، ہم لوگ بچپن میں ایسی کہانیاں اکثر سُنتے تھے جن میں بلائیں خوبصورت عورتوں کا بھیس بدلکر سر راہ بیٹھتی تھیں اور مسافروں کو بدراہ کر کے غارت کر دیتی تھیں۔ میں اب عورت کو بدترین آسمانی بلا سمجھنے لگا ہوں اس کے ذریعہ فطرت ہم کو بڑی سہولت کے ساتھ ناکردہ گناہوں کی سزا دیتی ہے۔

نسرین! اب میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں اور شاید اس باب میں تم کو مجھ سے اختلاف نہو کہ میں دراصل اس حال کو تمھاری بدولت پہونچا۔ نہ تمھارا دامن ہاتھ سے چھوٹتا نہ میں اس طرح پامال ہو کر رہ جاتا۔ یہ بھی زمانہ کا ستم تھا کہ اُس نے مجھ کو اول اول تمھارا مبتلا بنایا اور پھر تم سے چھڑا کر اس نوبت کو پہونچایا کہ "پھر نہ لگا لے گئے جہاں دل کو"۔ اس میں شک نہیں کہ ان تمام معاملات میں نہ تمھارا کوئی قصور تھا نہ میرا تم مجھے چاہتی رہی ہو اور میں بھی جہاں تک اپنے دل میں محبت کی تاب پا سکا تم کو چاہتا رہا۔ لیکن ہماری یہ ساری محبت مجبور

ثابت ہوئی، اور ہم سوا اس کے کہ اپنا اپنا دل خون کرلیں اور کچھ نہ کرسکے۔

تم کو حیرت ہوگی کہ اگر میرا یہ خیال سچ ہے تو پھر میں تمہاری طرف از سرِ نو کیوں نہیں ملتفت ہوتا جبکہ تم پھر مجھ پر اپنے جان و مال سب کچھ تصدق کردینے کے لئے تیار ہو جبکہ تم کو پھر از سرِ نو میرا سودا ہوا ہے۔ جبکہ تمہاری زندگی بغیر میرے موتوا قبل ان تموتوا کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ لیکن نسرین ایک بات پر غور کرو اور سمجھو۔ مجھے آج تک تم سے نفرت نہیں پیدا ہوئی مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں تم پر خون کے آنسو روتا رہا ہوں لیکن اگر آج ہم پھر ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہو کر زندگی بسر کرنے لگیں تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہماری موجودہ المناکیوں میں کوئی کمی ہو جائے گی؟ کیا زندگی ہمارے لئے زیادہ خوشگوار ہو جائیگی؟ ایسا سمجھنا محض خام خیالی ہے، انسان کی زندگی کی سب سے بڑی تلخی اسکا حافظہ ہے۔ ہم دراصل کسی واقعہ اور اسکے آثار کو اپنے ذہن سے محو نہیں کرسکتے، ہم لاکھ ظاہر کریں کہ ہم ایک واقعہ کو بھول گئے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ واقعہ دل میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے۔ اگر آج میں تمہارے ساتھ شادی کرلوں جیسا کہ تمہاری آرزو ہے اور جیسا کہ سترلا اور چمپا دونوں مجھے مشورہ دے رہی ہیں تو اول تو اب ہم دونوں مسرت و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کی صلاحیت ہی سرے سے کھو چکے ہیں۔ دوسرے اب ہم کبھی اس بات کو بھول نہیں سکتے کہ اس درمیان میں کن کن حالات سے گذر چکے ہیں اور کیا کیا ضائع کرچکے ہیں۔ اور ماضیات کی یاد ہماری زندگی کو ہمیشہ کے لئے ایک عذاب بنائے رہیگی۔ قصہ مختصر اب ہم کسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وہ تخیلی زندگی نہیں بسر کرسکتے ہیں جس کا بچپن میں ہم دونوں خواب دیکھا کرتے تھے اور جس کے تصور سے روح میں بالیدگی پیدا ہوتی تھی۔

نسرین! پلٹنا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ معاودت زندگی کی فطرت کے منافی ہے۔ تم اسکو یوں سمجھو۔ تمہارا سابق شوہر مر چکا ہے اور شاید تمہارے کانوں میں یہ بھی خبر پہنچی ہو کہ قاسم کا پتہ چل گیا ہے وہ کانپور میں ہے اور عنقریب مستقل بود و باش کے لئے یہاں واپس آئے گا اور اپنی جاگیر پر قابض ہوگا لیکن اگر میں تم سے کہوں (جیسا کہ میں واقعی کہوں گا اگر تمہاری حالت نے اسکی اجازت دی) کہ نسرین اب از سرِ نو قاسم کی طرف اعتنا کرو اور اسکے ساتھ شادی کرکے برے بھلے اپنے باقی ماندہ دن گزار دو تو کیا تمہارا دل اسکے لئے ابھرے گا اور تم قاسم کے ساتھ لذت و انبساط نہ سہی تو سکون و اطمینان کی سانس لے سکو گی؟ قاسم کے اور تمہارے درمیان یہ جو ایک مدت کی خلیج حائل ہو گئی ہے اسکو کیسے بھول سکو گی۔

اس کو بھی جانے دو، صرف یہ خیال کہ قاسم کے ساتھ وہ ممنوع اختلاط پیدا کرنے کے اسباب کیا تھے اور اسکے نتائج کیا ہے؟ تمہارے دل میں ہر لحظہ نشتر چبھوتا رہے گا اور تمہاری حالت روز بروز زیادہ ابتر ہوتی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اب میں تمہاری طرف مائل نہیں ہوتا، ورنہ اگر سچ پوچھو تو میرا اولین فرض یقیناً یہی ہے کہ میں تم کو اپنی پناہ میں لے کر

تم کو سنبھال لینے کی کوشش کروں لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ تم کو میں سنبھال نہیں سکتا اور تم میرے سنبھالے سنبھل نہیں سکتیں۔ اب ہم لوگوں کے دل دُکھنے کے خوگر ہو گئے ہیں اور ہم کو اب اپنی بربادیوں میں راحت ملنے لگی ہے آہ! ۔

فلک چھوڑے تو خدائی بھی اب نہ رہے قائم
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

اب ہم دونوں اسی منزل پر پہونچ چکے ہیں۔

اب میں مجبوراً دوسری فکروں میں مبتلا رہتا ہوں اور دوسروں کے غم میں گھلتا رہتا ہوں اس لئے کہ اپنے غم میں گھلنے کا یارا نہیں رہا۔ ہاں کل عزیز میاں اور قرب و جوار کے اکثر زمینداروں سے فوجداری ہوتے ہوتے رہ گئی، اور غالباً کل ہو کر رہے گی۔ اسمیں میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں دوسرے کا جھگڑا اپنے سر لے رہا ہوں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ وہ دوسرا محض معصوم و مجبور ہے اور کسی کے ساتھ مقاومت کی تاب نہیں رکھتا۔ آخر نسرین ظلم اور دراز دستی کی کوئی حد بھی ہے اور پھر اسوقت یہ سارا ظلم ایک شخص پر توڑا جا رہا ہے۔ یعنی الگو پر۔ بنلے مخاصمت معلوم ہے۔ پھر اگر کوئی خدا ترس انکی حمایت میں دبی زبان سے بھی احتجاج کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اسکے احتجاج کی شرمناک تاویلیں کی جاتی ہیں بلکہ اسکے ساتھ لوگ آمادۂ جدال و قتال ہو جاتے ہیں۔ الگو سے عزیز میاں اور اُنکے جانبداروں کو جو کد ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور کچھ زور تو چل نہیں سکتا۔ اب یہ لوگ اپنے زمینداری کے ہتھکنڈوں سے کام لینا چاہتے ہیں۔

ابھی چھ مہینہ کا ذکر ہے، الگو نے عزیز میاں کو لگان دی تو انھوں نے نہ اسکا سیاہہ کیا، نہ بیچارے کو رسید دی۔ انھیں کے اشارے سے بعض اور زمینداروں نے بھی انکی دوستی میں اسکے ساتھ یہی سلوک کیا۔ میں نے بہت سر پٹکا۔ لیکن ان فرعونوں نے حقارت کے ساتھ میری بات کو ہنسی میں اُڑا دیا میں نے الگو کو نالش کے لئے بھیجا مگر ہماری مایۂ ناز عدالت نے اسکی بات بھی نہیں سنی اور اُلٹے اُس کو ڈانٹ ڈپٹ کر الگ کر دیا۔

نسرین! دیکھو زبردست کا بول بالا کب تک رہتا ہے۔ آج لوگ اسپر ایک طرف تو لگان کی نالش کرنے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف عزیز میاں اپنے روپیہ کے معاوضہ میں اُسکے اُن آم کے درختوں کو مانگ رہے ہیں جس کو اُس نے عمر بھر کی جانفشانی کے بعد تیار کیا ہے۔ میں نے اس کو اتنی رقم خود دیدی تھی کہ وہ جا کر عزیز میاں کو اصل مع سود کے واپس کر دے۔ مگر وہ اسپر کسی طرح راضی نہوئے۔ کل وہ اُسکے درختوں سے آم توڑوا رہے تھے۔ بیچارہ میرے پاس دوڑا ہوا آیا اور رونے لگا۔ میں نے جا کر ان کو بہت سخت سُست کہا۔ اسی پر وہ آستین چڑھا کر لڑنے کے لئے تُل گئے۔ میں نے انکا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا۔ لیکن چونکہ اُنکے ساتھ صرف ایک آدمی تھا اس لئے وہ فوجداری نہ کر سکے۔ لیکن دھمکی دے گئے ہیں "کل الگو کے ایک ایک درخت کے آم چُن لئے جائیں گے۔ اور اگر کسی کی طرف سے ذرا بھی مزاحمت ہوئی تو خون خرابا ہو جائے گا"۔ میں نے ان کو نرمی جتنی ہر طرح سے سمجھانا چاہا مگر وہ اپنی نفسانیت میں اندھے ہو رہے تھے

مجھے بھی ضد ہو گئی۔ کل جو کچھ ہو میں ان کو ان درختوں کا ایک پتہ بھی نہیں چھونے دوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ بالآخر وہی لوگ جیتیں گے۔ مگر میں اپنی سی کر کے رہونگا۔ کہنے والے یہی کہیں گے کہ میں یہ سب چھپا کے لئے کر رہا ہوں۔ مگر نسرین! میں تم سے کہہ چکا کہ چھپا سے مجھ کو کہاں تک امیدیں باقی ہیں۔ چھپا ہو یا نہ ہو میں ان فلک زدہ فریادیوں کے لئے ہی کرتا رہونگا جو کر رہا ہوں اور اسی دُھن کے ساتھ۔ تھک زیادہ گیا ہوں اس لئے اب رخصت۔ کل علی الصباح تو یہ معرکہ ہے کل شام کو جس حال میں ہونگا تمہارے پاس تمہاری خیریت دریافت کرنے آؤنگا۔

تمہارا
بدستور
یوسف

(۱۲)

کال کوٹھری۔

میرے اچھے بھائی جان! تمہارے خط سے مجھے بڑی تسکین ہوئی۔ اگرچہ یہ تسکین یاس کی تسکین تھی۔ تم نے قاسم کا ذکر ناحق چھیڑا۔ یہ میری مجروح رگ تھی۔ اگر آج میں اس حالت کو نہ بھی پہونچ چکی ہوتی تو بھی شاید یہ کہکر میں اس سے بیگانہ رہتی:۔

صبح کو آئے ہو بھولے شام کے
جاؤ بھی اب تم رہے کس کام کے

مگر وہ تو جب چلنے کی بات ہوتی۔ اب تو میں ہی کسی کام کی نہیں رہی۔ پھر:۔

" ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصل بہار ہو "

مگر مجھے اس وقت یہ ذکر کرنا مقصود نہیں تھا۔ فجر کا وقت ہے، اور ابھی اس کا کافی موقع ہے کہ تم میرا کہنا مان لو اور عزیز میاں کے برپا کئے ہوئے فتنہ وفساد میں نہ پڑو۔ خدا کیلئے اس سے باز رہو۔ اس میں صرف تمہاری جان کا خسارہ ہے اور کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تم بلکہ اسی وقت میرے پاس چلے آؤ۔ خدا کے لئے بھائی جان! ان بیرحموں کے ہاتھوں میں اپنے کو نہ دو۔ انکی شان جونک کی ہے کہ ایک بار لپٹ جائیں تو بغیر سارا خون چوسے چھوڑتے نہیں۔

میں تمہاری کوششوں کو قطعاً باطل نہیں سمجھتی مگر بے سود ضرور سمجھتی ہوں ......

مگر چلو! سارا قصہ ختم ہو گیا۔ میں یہ لکھتی ہی رہ گئی اور تم آخر وہ کر ہی بیٹھے جو ٹھان چکے تھے اور ہوا بھی وہی جس کا مجھے ڈر لگا ہوا تھا۔ ابھی گلشن ہانپتی کانپتی آئی اور اُس سے یہ سُن کر میں تو اپنے حواس میں نہیں ہوں کہ پَو پھٹتے ہی فوجداری ہو گئی اور تمہارے سر اور داہنے ہاتھ میں شدید چوٹ آئی ہے۔ خدا کرے اسمیں بہت کچھ مبالغہ ہو مگر بیان کرنے والے نے گلشن سے تمہاری جو حالت بیان کی ہے اگر وہ سچ ہے تو پھر اللہ ہی تم کو اُٹھا کھڑا کرے۔ میں اپنی حالت بیان نہیں کر سکتی۔ جی چاہتا ہے کیسے پر لگ جائیں اور تم کو اُڑ کر دیکھ لوں۔ کسی طرح شام ہو تو میں خود تم کو دیکھنے آؤں۔ تم یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا۔ یا اللہ آج میں پہلی دفعہ تمہاری پریم کوٹی میں قدم رکھ

رہی ہوں اور اسکی تقریب کیا ہے۔ کیا ہی ساعت تم سے تمھارے گھر میں ملنے کی میرے مقدر میں رکھی گئی تھی۔

تمھاری ہراسان و پریشاں

نسرین

(۱۶)

بمبئی

یوسف صاحب!

ہاں یہی میری وفا سے بے اثر کی ہے سزا
آپ کچھ اس سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جائیے

آپ کے پچھلے خط کو آئے ہوئے قریب قریب دو برس ہو گئے۔ اس عرصہ میں میں نے کئی بار یاد دلایا مگر آپ یاد کریں بھی تو۔ آپ ہی ایسوں کے لئے شاعر نے کہا ہے۔

اپنے قولِ وفا کو بھول گئے
تم تو بالکل خدا کو بھول گئے

مہربان! اگر "قول وفا" کی یاد باقی نہیں تھی تو کم سے کم کبھی دور سے بات تو پوچھ لیتے۔ اس "قول وفا" کی اتنی لاج تو ضرور ہی تھی۔ لیکن یہ شکایت شاید عبث اور بے معنے ہے۔ وفا و محبت کا انجام ہی شاید یہی ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ بقول آپ کے زندگی ہی کا انجام یہ ہے۔ آپ کو یاد ہے آپنے بمبئی میں ایک غزل کہی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

خود بخود آخر غمِ دوری گوارا ہو گیا
کہئے کس منھ سے کہ یارائے شکیبائی نہ تھا

آجکل یہ شعر صبح و شام میری زبان پر رہتا ہے۔ ایک شعر میں ساری زندگی کا راز بیان کر دیا ہے۔ سچ ہے زندگی کی قید ہم کو شکیبا بنا دیتی ہے۔ شکیبائی نام ہے مجبوری اور بے دلی کا۔

لیکن رسم دیرینہ بھی کوئی چیز ہے۔ وضع بھی نباہی جاتی ہے۔ یہ بیگانگی تو سوہانِ روح ہے۔ یہ بے ادائی تو کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی۔ ابھی کچھ دن ہوئے میں جان مارلے کا ایک تنقیدی مضمون پڑھ رہی تھی۔ اس میں ضمناً ایک جگہ لکھا ہے کہ "نفرت بے اعتنائی کے مقابلہ میں محبت سے قریب ہے" یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور ساتھ ہی ساتھ غالب کا یہ شعر یاد آ گیا:۔

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

اور میرا خیال ہے کہ اس غزل کا مشہور مقطع بھی اسی جذبہ کے ماتحت کہا گیا ہے:۔

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

مگر ہم لوگ تو اپنے دلوں میں اب اس چھیڑ اور لگاوٹ کا حوصلہ بھی نہیں پاتے جو درپردہ ربط و اتحاد کی دلیل ہوتی ہے۔

قصۂ کوتاہ میں آپ کی خبر سننے کیلئے بیتاب ہوں کچھ تو سنائیے کس حال میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ چمپا کا کیا رنگ ہے؟ وہ کہاں ہے اور کیا کرتی ہے؟ اُسکے ساتھ آپکا شغف اب کس مقام پر ہے؟ نسرین کا کیا حشر ہوا؟ اور اُسکی زندگی کی روداد کیا رہی؟ میں بڑی امیدوں

کے ساتھ یہ خط لکھ رہی ہوں - خدا کے لئے مفصل حالات لکھئے کیا میں کسی طرح آپکے کام آسکتی ہوں ؟ عرصہ ہوا آپ کی تقریر وتحریر کو ترس گئی - ایک دلچسپ خط ہی سے اسکی تلافی کر دیجئے

اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ دُنیا کے ہر کام سے جی چُرانے لگے ہیں - کیوں یوسف صاحب! کچھ یاد ہے کتنے دنوں سے آپ شعر و ادب کی دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے ہیں - سیاسیات کا نام تو بُرے بھلے اب بھی آپ لے رہے ہیں مگر آخر وہ آپ کا ادبی حوصلہ کیا ہوا ؟ میں آپ کی زندگی کے مشرح حالات جاننے کے لئے بیچین ہو رہی ہوں اور خاصکر آپ کی زندگی کے اُس دلکش رُخ کو جاننا چاہتی ہوں جس کا تعلق چمپا سے ہے -

یوسف صاحب! آپ کی ساری زندگی پر تبصرہ کرتی ہوں تو اس کا خلاصہ صرف اتنا نکلتا ہے :-

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوبتر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جاکر نظر کہاں

آپ کی اب تک کی زندگی یہی رہی ہے - میں کچھ آپ کی عیب جوئی نہیں کر رہی ہوں ، آپ کی فطرت بیتاب کا تقاضا ہی تھا - مجھے اُمید ہے کہ چمپا آپ کی جولانی وسرگردانی کی آخری منزل ہے :-

آپنے اپنی رباعیات اتنی مدت ہوئی سُنانے کا وعدہ کیا تھا آج تک گوش بر آواز ہوں - اس درمیان میں تو اور نہ جانے کتنی رباعیاں اور غزلیں کہی ہونگی - اب وہ بھی سُنائیے تاکہ میں بھی سمجھوں "دیر آید درست آید"۔

آپ کی
دیر سے منتظر
سرلا

(۱۷)

پریم کوٹ

پیاری سرلا! جیتی رہو - یہ بڑی بات ہے کہ ابھی تک تمھارے دل کے کسی گوشہ میں میرا خیال بھی پڑا ہوا ہے ، ورنہ عمر بھر کون کس کو یاد کرتا ہے - تم نے جو کچھ میری زندگی کی نسبت لکھا وہ ہے تو حقیقت - مگر چونکہ تم نے اس کو ایک الزام بنا دیا ہے اسلئے مجھے بھی کچھ کہنا ہے -

سرلا! زندگی کے معنے ہی شاید یہ ہیں کہ عمر بھر جستجو کرتے رہو اور عمر بھر کھوتے رہو - ارمانوں کا خون انسان کا مقدر ہے پھر چونکہ انسان آسانی کے ساتھ احساس ناکامی کی تاب نہیں لاسکتا اس لئے وہ بہت جلد ایک تمنا کی شکست کے بعد فورًا دوسری تمنا پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح اپنے کو اُس وقت تک فریب میں مُبتلا رکھتا ہے جب تک کہ اُس کے دل میں اتنی تاب ہوتی ہے - یہ انسان کی فطرت ہے اور شاید تخلیق ہی اسی کا نام ہے - میں نے نسرین کے خیال کو دل سے دور کیا اس لئے کہ اس سے مایوس ہوگیا - تم کو چھوڑا اس لئے کہ تم کو پانا خدائی پانے سے کم نہیں تھا - چمپا سے اس لئے مُنھ موڑ رہا ہوں کہ اس کا سودا بھی سودائے خام ثابت ہُوا -

انسانی زندگی کی اصل مصیبت یہ ہے کہ زندگی کا ہر واقعہ محض ایک دل کا داغ بن کر رہ جاتا ہے جو نہ مٹتا ہے نہ

نہ دکھتا ہے۔

محبت شاید اتنی حسرتناک نہ ہوتی اگر دو چاہنے والے دلوں میں جوش اور جذبہ ہمیشہ یکساں باقی رہتا۔ چاہیے یہ جوش اضطراب ہی کا جوش کیوں نہ ہوتا۔

لیکن ناکام محبت کا انجام ہمیشہ فسردگی اور سرد مہری ہے اور محبت کرنے والے کو بالآخر یہی کہکر خاموش رہ جانا پڑتا ہے :-

رنج و غم ہجر کے گز ر بھی گئے
اب تو وہ دھیان سے اُتر بھی گئے

اور محبت ہمیشہ ناآسودہ اور ناکام رہتی ہے، چاہے یہ ناکامی ابتدا ہی سے رہی ہو چاہے کامیابی کے بعد اور کامیابی ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ اس حالت کو لوگ صبر و ضبط سے تعبیر کرتے ہیں اور اسکو فتح سمجھتے ہیں۔ مگر یہ در اصل زمانہ کی فتح اور ہماری شکست ہوتی ہے۔

سوئنبرن کی ایک نظم جس کا عنوان "زمانہ کی فتح" ہے شاید کبھی تم نے بھی پڑھی ہو اس کا بھی خلاصہ وہی ہے جو میر ان اشعار کا ہے :-

ترا حسن نقش سراب تھا مرا عشق وہم تھا خواب تھا
وہ سب اک طلسم شباب تھا نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ ہمیں وفا کا وہ حوصلہ نہ تمھیں جفا کا وہ ولولہ
نہ وہ ہم رہے نہ وہ تم رہے جو رہی تو بیخبری رہی

سچ ہے جو بات ایک بار گزر گئی اُس کا ماتم کرنا اور اُسپر آنسو بہانا لاحاصل ہے، جس خیال سے گزر چکے اور جس خواب سے بیگانہ ہو چکے اُس کا ذکر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سرلا سُنو :-

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

اور اگر غور کرو تو یہی "جی چرانا" عین "شیوۂ تسلیم" ہے۔ صبر نام ہے گھبرا کر سپر ڈال دینے کا۔

ہاں اس عرصہ میں بہت کچھ انقلابات ہوئے ہیں۔ اور بہت کچھ التباسات دور ہوئے ہیں مجھے یقین ہے کہ تم بڑی دلچسپی سے اتنی مدت کی روداد سُنوگی :-

سرلا! چمپا کا طلسم بھی ٹوٹ رہا ہے، اُس نے مجھے کوئی فریب تو دیا نہیں اور نہ میرے ساتھ کوئی دغا کی۔ مگر میں نے اپنی انتہائے تخئیل میں اسکو جتنی کچھ سمجھ رکھا تھا اتنی وہ نکلی نہیں۔ وہ عمر بھر کے لئے شرعًا یا قانونًا میری ہونے کیلئے تیار نہیں ہے اور نہ مجھے اسپر اس قدر اعتبار رہا۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ میں اُس میں کوئی عیب پا رہا ہوں۔ نہیں! وہ نہایت معصوم، نہایت سادہ لوح اور نہایت جاں نثار ہے لیکن تہذیب و تربیت کے تفاوت اور مزاج و طبیعت کے اختلاف کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب میں رہ رہ کر یہ سوچنے لگ جاتا ہوں کہ آیا چمپا واقعی میری شورشوں کو آسودہ کر سکے گی؟ آخر تعلیم و تربیت کا فرق کہاں جائے گا؟ مگر اس سوال کو اُٹھاؤں ہی کیوں؟ چمپا کو میری بیوی بننے سے صاف انکار ہے یہ مجھے یاد ہے کہ اب سے تقریبًا دو سال پہلے میں نے تم کو لکھا تھا اور اُس وقت مجھے اصرار تھا کہ چمپا کے ساتھ مجھے صرف شاعرانہ تعلق خاطر تھا۔ رفتہ رفتہ شاعری واقعہ ہوتی گئی۔

اور میں بھی چونکہ مدت العمر کی تنہائی اور مجبوری سے عاجز ہو چکا تھا اس لئے اسکے ساتھ نکاح کرکے زندگی کے باقی دن امن وسکون کے ساتھ بسر کر دینے کے خیال سے اپنے اندر ایک اطمینان پانے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ خیال مجھ پر بھوت کی طرح مسلط ہو گیا۔ چمپا بھی بلا ارادہ میرے حوصلے بڑھاتی رہی۔ دن رات میری خدمت میں سرگرم و مستعد رہکر اسنے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ایک طرف تو مجھے یقین تھا کہ چمپا میری ہے اور میرے ساتھ بے تامل نکاح کرے گی۔ دوسری طرف اُس بیچاری کو خواب میں بھی یہ گمان نہ تھا کہ میں اُسکے ساتھ تمام معاشرتی علائق کو توڑ کر شادی کرنے کی تمنا رکھتا ہوں جب اُس کو میری نیت کا حال معلوم ہوا تو اُسکو دھکا لگا۔ وہ کسی طرح اس خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتی۔ اسکو میری محبت کا دعویٰ ہے جس کو وہ عمر بھر نباہنے کیلئے تیار ہے۔ مگر وہ خود کہتی ہے کہ اگر اسکو کسی کے ساتھ شادی کرنا ہے تو وہ چمار ہی ہو۔ اور اگر کسی کو میری بیوی بننا ہے تو وہ کوئی سید زادی ہو اس لئے کہ دھرم یہی کہتا ہے۔

سُنا سرلا! دھرم کیا کہتا ہے۔ یہاں بھی حسب و نسب چھٹکارا نہیں۔ بھلا ایک "بندۂ عشق" کو فلاں ابن فلاں کی قید سے کیا؟ تم نے اس سے پہلے مجھے اپنے خط میں لکھا تھا

" نہ در کفری نہ در آئین اسلام
نظیری ہیچ می دانی کجائی"

میں اسکے جواب میں لکھنے والا تھا جس کی نوبت نہیں آئی۔

"اپنے مذہب میں ہو اک شرط طریق اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم"

مگر اب یہ کہنے کے لئے جی نہیں اُبھرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس "طریق اخلاص" کا کہیں واقعی وجود نہیں۔ یہ محض اپنا پیدا کیا ہوا ایک التباس ہے۔ غرضکہ اب پھر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ :۔

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا ؟
ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا ؟

مگر اب باقی کیا رہا ؟ وہ بھی سُنو! نسرین عرصہ سے بیمار رہتی ہے اور کوئی چار ماہ سے میرے ساتھ ہے۔ تم اس خبر کو سنکر خوش ہو لو۔ مگر واقعہ نہ اس سے زیادہ ہے اور نہ اب ہو سکتا ہے کہ نسرین ان دنوں میرے ساتھ میرے گھر میں ہے۔ اسکی تقریب یوں ہوئی۔ تم میرے مشغلہ اور میرے جنون سے ناواقف نہیں ہو۔ غریبوں، بیکسوں کے ساتھ میرے انہماک کا وہی عالم ہے، ظلم اور فرعونیت کی بیخکنی کے لئے اپنی جان کو جان نہیں سمجھتا۔ ابھی چند ماہ کا عرصہ ہوا کہ عزیز میاں وغیرہ نے چمپا کا غصہ اُتارنے کے لئے الگو کو ستانا شروع کیا۔ جب پانی ناک سے اوپر ہو گیا تو میں نے مداخلت کرنا چاہی۔ لیکن انسان سے معاملہ ہو تو بات بنے بھی۔ یہاں درندوں سے سابقہ۔ سب مجھی کو پھاڑ کھانے پر تُل گئے۔ میں نے جان بوجھ کر یہ فساد مول لیا۔ بڑی گھمسان مار پیٹ ہوئی، مجھے بھی سخت چوٹ آئی جو اب بالکل اچھی ہو چکی ہے۔ لیکن فوجداری کا مقدمہ چار ماہ سے چل رہا ہے اور ساری دُنیا فریق مخالف کا ساتھ دے رہی ہے۔ قرب و جوار کے بڑے بڑے زمیندار اپنی دیرینہ خصومت کی بنا پر میرے خلاف جا رہے ہیں۔ بارسوخ رؤسا

عزیز میاں کے حامی ہیں، عدالت انھیں محافظان قانون و انصاف کی طرف مائل ہے اور :-

"میں اک طرف ہوں اتنے ستمگار اکطرف"

کی صورت درپیش ہے - میں نے بھی اپنے کو چھوڑ دیا۔ مقدمہ کی روداد اچھی نہیں - ان انسان نما بھیڑیوں کی جیت دھری ہوئی ہے، اب مجھے معلوم ہے کہ قید خانہ کی سیر پھر میری قسمت میں ہے اور مجھے اس سے کچھ اطمینان ہی سا ہے - آزاد رہ کر کیا جنگ جیت لیا جو قید کا غم کیا جائے اور پھر مجھے تو یہ نشاط و انبساط ہے کہ میں بیکسوں کا والی و حامی بنکر جیل جا رہا ہوں۔

مقدمہ کی روداد دیکھ کر میرے دشمنوں کا دل بڑھ گیا ہے اور وہ اب علی الاعلان چمپا اور اسکے گھر والوں کو ستانے لگے ہیں - چمپا کو ایک دن زبردستی گھسیٹ کر اپنے وہاں مزدوری کے لئے عزیز میاں لے گئے - میں نے پھر مزاحمت کی اور پھر لاٹھی چلتے چلتے رہ گئی - اب اسکے گھر والے چمپا کو دوسری جگہ اپنے ایک رشتہ دار کے وہاں بھیج رہے ہیں اور میں نے اس فتنہ کو فرو رکھنے کے لئے یہی صلاح دی ہے اکثر اسکو محض عورت اور عشق کا فساد سمجھتے ہیں لیکن یہ صریح اتہام ہے - یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ چمپا کا تعلق اس جماعت سے ہے جسکی نمائندگی کرنا میں اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتا ہوں - یہ حقیقتاً محتاج اور غنی، سرمایہ دار اور مزدور، غلام اور آقا کی لڑائی ہے - چمپا نے تو آکر صرف سلگتی ہوئی آگ کو بھڑکا دیا ہے۔

ہاں تو نسرین کے آنے کا بہانہ اس دن کی لڑائی اور میرا زخمی ہونا تھا، وہ آئی اور پھر یہیں رہ پڑی - میں نے بھی ... اختیار کر لیا - اس لئے کہ اب اسکی حالت پر رحم آتا ہے - او... خود بھی تنہائی سے گھبرانے لگا ہوں - مجھے معلوم ہے کہ ا... اس سے کہوں کہ مجھ سے کنارے رہے تو اسکا کلیجہ پھٹ جا... وہ بہت بیمار ہے اور مجھے اسکی حالت خطرناک نظر آتی ہے - ڈاکٹر دق بتا چکے ہیں وہ بس چند دنوں کی مہمان ہے -

اسی سلسلہ میں ایک بات اور یاد آئی - قاسم وا... آگیا ہے، وہی قاسم جس کو نسرین کی بربادی کا بہانہ کہنا... نسرین اگر اچھی بھی ہوتی تو اب اسکے لئے یہ ناممکن معلوم ہے کہ قاسم کی طرف پھر رجوع کرے جیسا کہ میری خواہش تھ... وہ اب اس ذکر سے بگڑ کر خفا ہونے لگتی ہے -

نسرین کو صبح سے شام تک بخار رہتا ہے مگر وہ ... پیچھے سب کچھ بھولی ہوئی معلوم ہوتی ہے - بس اب اسکو... یہ دھن ہے کہ میری خدمت میں زندگی بسر کرے - اب ا... از سر نو میرا جن سوار ہے - انسان بھی کیسا بھولا اور خود فریب ہے - بیچاری سمجھتی ہے کہ اس طرح مافات کی بازیافت یا تلا... ہو سکتی ہے - خیر اس صحبت کا جو حشر ممکن ہے وہ معلوم ہے... دنوں میں وہ چل بسے گی اور پھر میں بھی کچھ ایسی ہی علامتیں ا... اندر پا رہا ہوں - میں خود کچھ بیمار سا رہنے لگا ہوں -

میرے پاس اب کچھ پونجی بھی باقی نہیں رہی، کچھ ... کھا پی کر اڑا دی، کچھ دوسروں کے حوالہ کر دی - دو چار د... بیگھے زمین کے باقی ہیں، ان کو چلتے چلتے ارادہ ہے چمپا کو د... جاؤں گا - یہ تم کو اس لئے لکھے دیتا ہوں کہ اگر میرے بعد ...

بنا پر کوئی فساد اُٹھایا جائے تو تم انصاف کی رو سے اس معاملہ میں گواہی دینا۔ میں نے اپنی تنگدستی کا ذکر اس لئے نہیں کیا ہے کہ تم موقع پاکر فوراً میری دستگیری پر تُل جاؤ۔ نہیں! تمھاری قسم مجھے اسکی ضرورت نہیں۔ اگر ایسی ہی زائد رقم تمھارے پاس پڑی ہوئی ہے تو انتظار کرو۔ اگر میری موت دیکھنا تم کو نصیب ہوئی تو میری یاد میں اتنا کرنا کہ ہمت کرکے میرا ایک ضخیم افسانہ شائع کرا دینا جس کا عنوان "ایک انقلابی کی سرگذشت" ہے اور جس کا مسودہ عرصہ سے میں ڈالے ہوئے ہوں۔ اس کو میں وقت سے تمھارے پاس بھیج دونگا۔

تم وہ اشعار سُننا چاہتی ہو جو اس درمیان میں میں نے کہے ہیں۔ اچھا سنو! ایک رباعی تھی:۔

ہم کیا کریں زندگی کا یارا نہ رہا	کہنے کیلئے بھی وہ ہمارا نہ رہا
محروم وفا پر اب جفائیں بھی نہیں	جینے کا کچھ بھی تو سہارا نہ رہا

سرلا! محبت صرف تخیل اور شاعری کی دنیا میں کامیاب اور برقرار رہ سکتی ہے۔ محبت کی فتح بس اسی عالم میں ممکن ہے ایک اور رباعی سُنو!۔

کیا دے نہ گئی تیری محبت مجھکو	کونین کی مل گئی ہے دولت مجھکو
دُنیا کا ملال ہے نہ عقبیٰ کا خیال	اب دونوں جہاں سے ہے فراغت مجھکو

ایک شعر اور سُنو!۔

تم سے بڑھ کر عزیز رکھیں گے	ایسی تو چیز جان نہ تھی انہیں

لیکن غم تو اسکا ہے کہ زندگی میں اس خیال کو آزمانے کی نوبت نہیں آئی۔ ایک اور شعر یاد آیا

دنیائے تمنا میں حسرت کے سوا کیا تھا	بیکار یہ حسرت ہے کچھ اور جیا ہوتا

ایک شعر سے شاید تم بھی اتفاق کرو:۔

یہی اک چیز ہے جو مدعا ہے ساری ہستی کا
اسی اک دل کا ہنگامہ زمیں سے آسماں تک ہے

ایک بالکل تازہ غزل کے چند اشعار یہ ہیں:۔

کس قدر جامہ سے باہر ہے تر ازندانی
آج زنجیر عناصر سے رہا ہوتا ہے
کہہ و ہنگامہ محشر ہے کہ خاموش رہے
ہوک اُٹھتی ہے مراد درد سوا ہوتا ہے
کارواں والو ذرا شور جرس بند کرو
دیکھو پامال کوئی آبلہ پا ہوتا ہے
نہ تو مرنے کی اُمید اور نہ جینے کا مزا
دل کا آزار ہی کمبخت بُرا ہوتا ہے
شکوۂ جور تقاضائے کرم کیا معنی؟
تیرے ہاتھوں سے جو ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

مگر یہ سب شاعری ہے۔ واقعہ تو صرف اس قدر ہے کہ میں شاید ہفتہ عشرہ میں قیدخانہ میں جھونک دیا جاؤں اور نسرین پھر بے سہارے رہ جائے۔ اب دیکھو تم سے تبادلۂ خیالات کا پھر کب موقع ملتا ہے۔ لکھتے لکھتے آنکھیں جلنے لگیں اور سر دُکھنے لگا اس لئے اب رخصت دو۔

تمھارا وہی
یوسف

(۱۸)

پریم کوٹ۔

پیاری سرلا! آخر وہی ہوا جو میں سمجھے ہوئے تھا

سب مجھے روداد پہلے سے معلوم تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس مقدمہ میں کیا ہونے والا ہے میں نے ایک طرح سے اپنے مقدمہ کی پیروی کرنے سے صاف پہلوتہی کیا۔ اس لئے کہ پیروی وہاں کیجئے جہاں عدالت سے واقعی انصاف کی اُمید ہو۔ جہاں مجبوروں کی فریاد رسی اور جابروں کی سرکوبی کا یقین ہو۔ میرے مقدمہ کی کارروائی پہلے ہی روز اس خیال کو لے کر شروع ہوئی کہ میں مع اپنی جماعت کے مجرم تو ضرور ہوں۔ ایسی صورت میں میرے خیالات و جذبات کا شخص کیا کرے گا تم اس کا صحیح اندازہ کر سکتی ہو میں نے عدالت سے پورے تنفر کا اظہار کیا اور اپنی پیروی میں صرف اتنا کہکر سارے قضیہ کو ختم کر دیا:۔

میرے دل کی حسرتوں سے تمکو آخر کیا غرض؟
تم بتاؤ کیا کروگے کیا تمھارے دل میں ہے؟

اور پھر یہیں سارا معاملہ ختم ہوگیا۔ مجھے غالباً دو برس کی قید ملنے والی ہے، کل حکم سُنایا جائے گا، میں اسکے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہا ہوں۔ مجھے اگر کسی کے خیال سے دُکھ پہونچ رہا ہے تو وہ نسرین کا خیال ہے۔ بیچاری کی حالت نازک اور عبرتناک ہے۔ حرارت دھیرے دھیرے بہت بڑھ گئی ہے، وہ تو اب محض میرے سہارے جی رہی ہے۔ اور اب یہ سہارا ابھی کم سے کم کچھ دنوں کیلئے اس سے چھن رہا ہے اسمیں شک نہیں کہ مجھے اب نسرین یا کسی کے ساتھ کوئی والہانہ لگاؤ نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مجھے نسرین کی حالت پر برابر ترس آیا اور میں نے اُس کا غم ہمیشہ کھایا۔ میرے امکان میں اگر ہوتا تو اسکو یوں تباہ نہ ہونے دیتا۔ مگر اب تو جو ہونا تھا سو ہوا اب یہ فکر البتہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ نسرین کو کس پر چھوڑوں اور اُسکی دیکھ بھال کس کے سپرد کروں۔ کنبہ والے جس طرح میرے دشمن ہیں اُسی طرح اُسکے دشمن ہیں کھانے پینے روپئے پیسے کے لئے تو وہ کسی کی محتاج نہیں۔ وہ خود دو چار کے پیٹ پال سکتی ہے۔ مگر جس حالت میں وہ ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی اُسکا دل ہاتھ میں لئے رہے اور اُسکی ہمدردی و غمخواری کرے۔ اگر تم سے یہ ممکن ہوتا تو میں کہتا کہ سرلا آؤ اور اس الفت دیرینہ کے صدقہ میں جو تمکو کبھی مجھ سے تھی اور جسکی یاد کا دم تم اب بھی بھر رہی ہو نسرین کا ساتھ دو اور جبتک میں محبوس رہوں تم میری جگہ اسکی نگراں رہو۔ لیکن تم کو اپنی مجبوریاں لاحق ہونگی ورنہ تم سے یہ توقع کوئی دور از کار بات نہیں تھی۔

خیر! جو بات نہ ہو سکتی ہو اُس کا ذکر ہی کیا۔ تم کو بس اتنی خبر دے دینا ضروری سمجھتا تھا کہ اب میں یہاں سے چلا۔ اگر جی مر کے بچا تو شاید دو ڈھائی برس کے بعد پھر اس دیار کی صورت دیکھنا نصیب ہو۔ اس عرصہ میں دیکھنا ہے کہ دُنیا کہاں سے کہاں پہونچتی ہے اور میری اپنی زندگی کیا رنگ لاتی ہے؟

تمھارا
یوسف

(۱۹)

پریم کوٹی۔

پیاری سرلا! آخر میری قید کی میعاد ختم ہوگئی اور جو لوگ مجھے قید میں دیکھنا چاہتے تھے انکی مایوسیونکی

انتہا نہیں ہے۔ مگر کیا کریں قانون سے مجبور ہیں، ورنہ شاید ابھی میں قید ہی میں رہتا۔ میں چھوٹا تو مگر اس حال میں کہ نہ اعصاب و جوارح میں کوئی سکت باقی رہی اور نہ دل میں کوئی کام کرنے کی اُمنگ۔ جو کچھ سکت اور جو کچھ اُمنگ باقی تھی وہ اس قید اور نسرین کی موت کے ساتھ جاتی رہی۔ اب بدن میں طاقت ہے نہ دل و دماغ میں۔

میں جس وقت نسرین کو چھوڑ کر چلا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ نسرین کا کیا حشر ہونے والا ہے اور وہی ہوا۔ یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں ہوئی۔ میں اب یہ بھی نہیں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس کا کوئی بڑا صدمہ ہے، جو صدمہ برداشت ہو جائے اُس کا ذکر کرنا بوالفضولی ہے۔

تمھارے دو مختصر محبت نامے مجھے جیل میں بھی ملے اور وہ دونوں پریم کوٹی سے لکھے گئے تھے۔ میں مرنے کے بعد بھی تمھاری قدر نہیں بھول سکتا اور تم سے بڑھ کر تو منوہر کا ممنون احسان ہوں کہ انھوں نے اگلی رسم محبت کا اسقدر پاس کیا کہ جبتک نسرین زندہ تھی چھٹیوں میں برابر تم کو لیکر پہلن آئے اور نسرین کی دلجوئی کرتے رہے۔ مگر انسان کی تمنائیں اور کوششیں سب بیکار ہیں۔ تم نے حتی المقدور اپنے فرض کو فرض سمجھ کر ادا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر اس سے حاصل؟ لیکن ہم کو اتمام و انجام سے کیا بحث؟ تم نے تو وہ کیا جو تم کو در اصل کرنا چاہئے۔ یہی انسان کا سرمایۂ تسکین ہے۔ خیر! گزری باتوں سے اب دل کو کڑھانا بے معنی سی بات ہے۔

میں اس خط کے ساتھ تم کو "ایک انقلابی کی سرگزشت" کا مسودہ بھیج رہا ہوں جیسا کہ تم سے کبھی وعدہ کیا تھا۔ اس کو حرز جاں بنا کر رکھو اور جب میں نہ رہوں تو اگر اتنی جرأت ہو تو اسکو شایع کر دینا۔ قطع و برید کا کوئی حق نہیں ہے۔ اب میں اسکو تمھارے پاس پہونچا دینا اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ میں مستقلاً بیمار رہنے لگا ہوں اور زیادہ عرصہ تک چلتا نظر نہیں آتا جیل جانے سے پہلے ہی اکثر حرارت رہنے لگی تھی۔ جیل میں جیسا کہ معلوم تھا صحت اور خراب ہی ہوتی گئی اور اب یہ حال ہے کہ صبح سے شام تک بھنا کرتا ہوں، چلنے پھرنے کی تاب نہیں رہی۔ بخار اور کھانسی سے سارا بدن چور چور رہے۔ موت کی نحوست ہر چیز پر چھائی نظر آتی ہے۔ اب میں سب سے زیادہ جن چیزوں کو حسرت و یاس کی نظر سے دیکھتا ہوں وہ میری کتابیں ہیں یہ سچ ہے کہ ایک مدت سے میرے دل میں لکھنے پڑھنے کا حوصلہ باقی نہیں رہا ہے۔ میرے ادبی جنون کو گئے ہوئے برسوں ہو گئے پھر بھی اگر کوئی حوصلہ برائے نام باقی تھا تو وہ ادبی یا شعری ہی تھا اور اگر کوئی مشغلہ ایسا تھا جو بہرحال جاری رہا ہو تو وہی کتابوں کا مشغلہ تھا، اب وہ بھی چھوٹ رہا ہے۔ تم جانتی ہو میں نے کن کن مصیبتوں اور کیسی کیسی امنگوں کے ساتھ ان کتابوں کو فراہم کیا تھا۔ اب انکی داشت اور قدر کون کرے گا۔ غور کرتا ہوں تو زندگی میں میرا ساتھ صرف دو چیزوں نے دیا۔ ایک تو "شب ہجراں" نے اور دوسرے انھیں کتابوں نے۔ مومن شب ہجراں سے پوچھتے ہیں:-

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے ۔ ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے

میں اپنی کتابوں سے بھی یہی پوچھتا ہوں - ہر طرف نظر دوڑاتا ہوں تو سوا تمھارے ان کتابوں کا کوئی حقدار نظر نہیں آتا۔ لہذا میرے بعد یہ کتابیں تمھاری ہیں آکر لے جانا - میں ان کو اپنی زندگی ہی میں تمھارے پاس بھیجدیتا مگر سرلا! :-

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

میں نے اپنی زمینداری کا باقی حصہ چمپا کے نام ہبہ کر دیا ہے - اسپر ہر طرف سر پیٹا جا رہا ہے اور مجھے یہ دیکھ کر بڑا اطمینان نصیب ہے کہ سر پیٹنے والے سر پیٹ رہے ہیں -

سرلا! میں قید سے چھوٹتے ہی چمپا سے ملا - وہ بڑے خلوص اور تپاک سے ملی - میری خیریت پوچھی اور میری گرتی ہوئی حالت پر بھی افسوس کیا ، وہ کسی طرح میری زمینداری لینے کے لئے تیار نہ تھی ، میں نے زبردستی اسکے گلے لگا دیا - کچھ دنوں تک وہ میری خدمت میں سرگرم بھی رہی اور پھر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی -

تم کو شاید معلوم نہیں کہ اس عرصہ میں اسکی دوسری شادی ہوگئی ہے - سرلا چمپا نے آج تک کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی بنا پر مجھے مایوسی ہوتی - مگر اسکا کیا علاج کہ مجھے اسی سے مایوسی ہے - جس وقت وہ ابکی مجھ سے ملی تو اسکے چہرہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میرے اور اسکے درمیان کوئی ایسی بات نہیں تھی جسکی یاد اسکو بیچین کر دے - اسکے بشرہ سے سکون اور آسودگی کی علامتیں نمودار تھیں - دو دن جو اس نے میری خدمت میں گزارے وہ بھی اس طرح گویا کہ میں کوئی متبرک اور برگزیدہ سادھو ہوں جس کی تعظیم اور خدمت فرض ہے -

میں نے اس سے پوچھا بھی "کیوں چمپا! وہ اگلی باتیں بھول گئیں کہ یاد ہیں؟" اس نے صرف اتنا جواب دیا "بابو جی ابھی کو بھولنا کہتے ہیں؟ آخر یہ جو دو دن آپکے قدموں میں رہ کر جا رہی ہوں اس کو کیا کہئے گا -"

سرلا! میرا دل افسردہ کا افسردہ رہ گیا - اس سے زیادہ یہ ظاہر ہوا کہ چمپا محض وضع نباہ رہی ہے ورنہ در اصل اسکے اندر کوئی جذبہ باقی نہیں ہے اور پھر یہ بھی سچ ہے - اگر کوئی جذبہ اسکے اندر باقی ہوتا تو اسکی زندگی ضیق ہو جاتی اور وہ ہنسی خوشی اپنے نئے شوہر کے ساتھ گزر بسر نہ کرسکتی - انسان کا جوش اور ولولہ اگر ایک درجہ پر قائم رہ جایا کرے تو اسکی اوسط مدت حیات بہت کم ہو جائے

خیر سرلا! اب ہمیں کوئی گلہ نہ رہا نسرین تو نو من مٹی کے نیچے پہونچی - تم اور چمپا زندہ ہو اور زندہ رہوگی لیکن اب میں اس بے حسی کی منزل پر ہوں جہاں نہ تم یاد ہو نہ چمپا جہاں محبت اور حوصلۂ زندگی دونوں پر ایک معدومیت سی چھائی رہتی ہے - میں اس سرائے فانی سے کوچ کرنے والا ہوں اور اپنے ساتھ سوائے خوں شدہ حسرتوں کے کچھ نہیں لیجا رہا ہوں :-

خاک حسرت لیگئے دلہائے ویراں لیگئے
آپکے دیوانے ساتھ اپنے بیاباں لیگئے

حیات انسانی کے متعلق میری آخری رائے بھی سن لو - یہ تمثیل آپ ہی اپنی تصریح بھی ہے :-

کمند کوتہ و بازوئے سست و بام بلند
بہ من حوالہ و تومیدم گنہ گیرند

سرلا! اب رخصت۔ شاید اب ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پائینگے اور مجھے تو اسکی آرزو بھی نہیں رہی لیکن میری آخری دُعا تمھارے ساتھ ہے۔

"بلبلو! خوش رہو اب تم گل و گلزار کیساتھ"

تمھارا یوسف

(۲۰)

پریم کوٹی۔

میاں پرکاش! تم کو یہاں سے گئے ہوئے ابھی دو مہینے بھی نہیں ہوئے اور میری حالت کہاں سے کہاں پہونچگئی۔ جب تم نے مجھے دیکھا تھا اسی وقت خون کے آنسو رو کر گئے تھے۔ اور اب اگر دیکھو تو نہ جانے کیا حال ہو۔ اتنی تاب بھی نہیں کہ جی کھول کر تم کو ایک مفصل اور طویل خط لکھ سکوں۔ اس لئے اس مختصر اور غیر مربوط تحریر پر معافی چاہتا ہوں۔ آپ وقت اتنا بھی غنیمت سمجھو۔

پرکاش! میری عمر مشکل سے پینتیس ۳۵ چھتیس ۳۶ کی ہے۔ اتنی ہی مدت میں زندگی کے تمام مراحل ختم ہوگئے اور پھر دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ جیسا کورا آیا تھا ویسا ہی کورا جارہا ہوں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ:-

"تہمت چند اپنے ذمہ دھر چلے"

زندگی کی تہمت البتہ اپنے سر لگائی ہے ورنہ تحقیق بتاؤ کہ میں نے اور کیا کیا؟ زندگی کے معنے آخر میں کیا سمجھوں؟۔ میری ساری روداد زندگی تو لے دے کر اس سے زیادہ نہیں رہی کہ:-

"گاہے نہ رفتہ ایم و بہ پایاں رسیدہ ایم"

کہنے کو میری زندگی کے دو کارنامے ہیں۔ محبت اور ادبیات مگر وہ بھی کیا ہے؟ اور خاصکر محبت تو مجھ پر سراسر بہتان ہے۔ جس محبت کا آجتک کوئی واضح اور متعین تصور میرے ذہن میں پیدا نہیں ہوسکا، اس محبت کو اپنی ذات سے کیسے منسوب کروں؟ تم اگر مجھ سے پوچھو کہ محبت کیا ہے؟ تو میں اس سے زیادہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ "انانیت اور خود فریبی"۔ اور شاید زندگی کی حقیقت بھی بس اتنی ہی ہے۔ میں تو اس منزل پر بھی نہیں پہونچ سکا جہاں تم ہو، جہاں سے تم قطعی طور پر یہ کہا کرتے ہو:-

اب تھک گئے ہیں سایۂ زلفِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

اور جہاں سے مجھ کو یہ صلاح دیا کرتے ہو کہ میاں محبت اور نفرت سے یکساں بے نیاز ہوجاؤ" کاش میں اسی قطعی نتیجہ پر پہونچ سکا ہوتا۔

آجکل سرلا میری عیادت کو آئی ہوئی ہے اور میری سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ اسکو دیکھ دیکھ کر دل میں ہوکیں اُٹھتی ہیں۔ اگر اسکو دیکھتا نہ ہوتا تو شاید زیادہ سکون سے مرسکتا اگر سکون کے معنے بے حسی کے ہیں۔ مگر اسکو دیکھکر تو میرے دل میں یہ حسرت ہلچل مچادیتی ہے کہ کاش! میں

چینگا ہو جاتا اور اُسکے ساتھ محبت کی ان کیفیتوں کا تجربہ کرنا جن سے محروم جا رہا ہوں، آدمی کی حسرت و تمنا کی کوئی حد نہیں۔ مرتے دم تک ایک اضطراب تمنا باقی رہتا ہے۔ پر کاش! میں اس دُنیا کی زندگی سمیٹ رہا ہوں، عاقبت کا حال معلوم نہیں۔ سُنتے ہیں ابھی حشر میں ایک بار پھر جینا ہوگا۔ اگر جینے کے معنے یہی جینا ہیں جو میں جی چکا تو میری دُعا یہ ہے :-

یارب! ہمیں تو خواب میں بھی مت دکھائیو
یہ محشرِ خیال کہ دُنیا کہیں جسے

اب آنکھوں کے آگے دُھند چھا رہا ہے۔ نہ دماغ کام دیتا ہے نہ ہاتھ۔ لہٰذا ہمیشہ کیلئے اب مجھکو خاموش سمجھو اور میرا کہا سُنا معاف کر دو۔

تمہارا
یوسف

غزل[1]

(از مس نور جہاں ناز بمبئی)

قدر آموز وفا خونِ شہیداں ہوگا — ہم نہ ہونگے نہ سہی تو تو پشیماں ہوگا
ہر نظر پردہ بر انداز ہے چھپنے والے — تو کہاں جا کے نظر والوں سے پنہاں ہوگا
یوں ہوا اک قطرۂ خوں شورشِ محشر بہ کنار — دل جسے کہتے ہیں وہ آپ کا ارماں ہوگا
فصلِ گل آئی کھلے پھول چلی بادِ مراد — مژدہ پھر تا بہ جگر چاک گریباں ہوگا
اے جنوں! ہوش سے آزاد کیا خوب کیا — اب غمِ جیب نہ اندیشۂ داماں ہوگا
موت آئی نہیں اور یاد تری بھول چلی — کون اب حالِ دلِ زار کا پُرساں ہوگا

یوں تو دُنیا میں ہزاروں ترے دیوانے ہیں
کہیں مجھ سا بھی کوئی بے سر و ساماں ہوگا

---

[1] یہ غزل عرصہ سے میرے پاس پڑی ہوئی تھی۔ آج پُرانے مسودوں کا جائزہ لیتے ہوئے نظر پڑ گئی۔ ناظرینِ ایوان کو غالباً مجھ سے اتفاق ہو کہ غزل اچھی اور سُتھری ہے۔ بالخصوص چھٹاں شعر اپنے تغزل اور تاثر کے اعتبار سے اپنے اندر کافی ندرت رکھتا ہے۔
"ایڈیٹر"

یوپی وقف بل

پر

تبصرہ

(از جناب سید کمال حسین صاحب ایم، اے، ایل، ایل، بی)

(حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو ضمیمہ ایوان الف)

اہل اسلام کے لئے مذہبی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے وقف عام ایک نہایت ہی اہم چیز ہے - اگر حسن انتظام کے ساتھ اسکے صحیح اغراض و مقاصد کے مطابق عمل کیا جائے تو مسلمانوں کی موجودہ مبتذل حالت کے سدھارنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے لیکن بدقسمتی سے بیشتر مسلم اوقاف ایسے ہیں جن کی انتظامی حالت ہرگز ایسی نہیں ہے جسے قابل اطمینان کہا جاسکے اور نہ واقف کی منشا کے مطابق یا جائز طور پر انھیں استعمال کیا جاتا ہے - ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا قانون وضع ہو جو وقف عام کے شرعی مسائل میں مداخلت کئے بغیر موجودہ اور آئندہ مسلم اوقاف کو تباہی و بربادی سے بچاسکے، انکے نظم ونسق کو درست کرسکے اور انکے اغراض و مقاصد کی انجام دہی میں مدد دے سکے - چنانچہ مسلمان ہند عموماً اور مسلمانان صوبجات متحدہ خصوصاً عرصہ سے ایسے قانون کا مطالبہ کررہے ہیں اور ۱۹۲۹ء میں گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی بھی مقرر کی جس نے ان صوبہ جات کے مسلم اوقاف کے بابت نہایت جانفشانی سے واقعات اور حالات فراہم کئے اور انکی بنا پر ایک جدید قانون وقف وضع کئے جانے کی سفارش کی اور اجمالاً اُس کا ایک خاکہ بھی گورنمنٹ کے سامنے پیش کیا - لیکن نہ تو گورنمنٹ نے کمیٹی کے سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کی اب تک کوئی کوشش کی اور نہ مسلم ممبران کونسل کو (باستثنائے خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب) کبھی یہ فکر ہوئی کہ گورنمنٹ سے اسکا مطالبہ کریں - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے چار سال تک کمیٹی کی تجویزیں کس مپرسی کے عالم میں پڑی رہیں اور مجوزہ قانون وقف کا مسودہ کونسل میں پیش نہ ہوسکا - اب حافظ ہدایت حسین صاحب موصوف نے کمیٹی مذکور کی سفارشات کی بنا پر خود ایک مسودہ قانون مرتب کرکے کونسل میں پیش کیا ہے جس کے لئے ہر مسلمان کو انکا ممنون ہونا چاہئے -

حافظ صاحب کے پیش کردہ مسودہ قانون کا منشا، یہ ہے کہ صوبجات متحدہ کے مسلم اوقاف کی کافی نگرانی وحفاظت، اور اُن کا معقول انتظام ہوسکے - اسکا تعلق اوقاف کے صرف انتظامی شعبہ اور اُنکے اغراض و مقاصد کی

انجام دہی و نگرانی سے ہے، وقف یا متولی یا دیگر امور متعلقہ کے بابت جو شرعی احکام ہیں اُن سے اسکو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لہذا اصولاً اسکی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ البتہ جن اغراض کے لئے یہ پیش کیا گیا ہے خود اُنکے لحاظ سے اسمیں بہت سے اسقام ہیں، اور اضافہ و ترمیم کی سخت ضرورت ہے جن کے بغیر جدید قانون وقف حصول مدعا کے لئے ہرگز کافی نہیں ہوسکتا، بلکہ مزید خرابیوں کا باعث ہوگا۔

سب سے بڑا نقص، جو اس بل کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، یہ ہے کہ اولاً مسلم اوقاف کے انتظام اور استعمال کی بابت جملہ اختیارات مختلف صورتوں میں بالواسطہ لوکل گورنمنٹ کے ہاتھوں میں دے دئے گئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ پروٹکٹر بھی ہوگا اور ڈسٹرکٹ وقف کمیٹیاں بھی، اور اُنکے اختیارات بھی بہت وسیع ہونگے، لیکن اگر ان اختیارات کو بل کے بقیہ اجزاء کی روشنی میں بغور دیکھا جائے تو اصل میں سب کچھ لوکل گورنمنٹ ہی نظر آتی ہے، پروٹکٹر اور ڈسٹرکٹ وقف کمیٹیاں محض درمیانی چیزیں ہونگی، آخری اور قطعی فیصلہ لوکل گورنمنٹ ہی کے ہاتھ میں ہوگا اور شروع سے آخر تک، قدم قدم پر اُسی کی ہدایت اور منظوری پر عملدرآمد ہوگا، اور اُسکے کسی فیصلہ کے خلاف کسی کو کسی طرح کی چارہ جوئی کا کوئی حق نہوگا۔ ثانیاً، متولیوں کو ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی میں یا پروٹکٹر کے روبرو کسی امر کی بابت اپنے خیالات کے اظہار کا کوئی حق حاصل نہوگا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص موقع پر یا عموماً وہ شریک مشورہ کئے جائیں یا اُن سے استصواب رائے کیا جائے اور اُنکی بات مان بھی لی جائے لیکن یہ پروٹکٹر اور ڈسٹرکٹ وقف کمیٹیوں کے محض لطف و کرم پر منحصر ہوگی۔ موجودہ وقف بل کی رو سے متولیوں کو اس امر کا قانونی حق حاصل نہوگا کہ ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی اور پروٹکٹر کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کریں اور اپنی بات کے سُننے پر اُنھیں مجبور کرسکیں۔ اصولاً یہ بالکل صحیح ہے کہ جن لوگوں کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اوقاف کے انتظام سے کوئی تعلق ہو اُنھیں ڈسٹرکٹ وقف کمیٹیوں کے جلسوں میں ووٹ دینے کا حق نہ ہونا چاہیئے، لیکن ووٹ دینے کا حق اور چیز ہے، اور اپنے خیالات کا پیش کرنا اور شے ہے۔ یہ دونوں دو مختلف چیزیں ہیں۔ لہذا ایک ایسی دفعہ کا اضافہ ہونا بہت ضروری ہے جس کی رو سے متولیان اپنے خیالات اور تجاویز کو بالاستحقاق پیش کرسکیں اور پروٹکٹر اور ڈسٹرکٹ کمیٹیاں اُنپر غور کرنے کے لئے مجبور رہیں۔

مذکورۂ بالا نقص کے علاوہ موجودہ بل میں اور بھی خامیاں ہیں جنکی تشریح حسب ذیل ہے:-

(۱) "متولی" کی تعریف اطمینان بخش نہیں ہے۔ اسکے رو سے وہ شخص بھی جو متولی کا تنخواہ دار ایجنٹ ہے اور جسے متولی نے جائداد موقوفہ کے انتظام کے لئے مقرر کیا ہے، متولی قرار پاتا ہے اور جدید قانون وقف کے ماتحت متولی کی تمام ذمہ داریاں اُسپر عائد ہوتی ہیں۔ یہ صریحی طور پر عقل اور احکام شرعی دونوں کے خلاف ہے۔ لہذا متولی کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں ہونی چاہیئے:-

"متولی سے مراد وہ شخص ہے جس کی تولیت کا اعلان زبانی طور پر واقف نے کیا ہو، یا جسے دستاویز وقف

میں متولی قرار دیا گیا ہو یا کسی عدالت مجاز نے متولی مقرر کیا ہو' اور اس لفظ کا اطلاق امین، سجادہ نشین، خادم، نائب متولی، نیز باستثنا اُن صورتوں کے جہاں اس منشا کے خلاف اس ایکٹ میں پایا جائے، ہر اس شخص پر ہوگا جو کسی متولی کا بعوض انتظام وقف ایجنٹ نہیں ہے۔ لیکن کسی جائداد موقوفہ کو وقف کی حیثیت سے اپنے قبضہ میں رکھتا اور اسی حیثیت سے اُسکا انتظام کرتا ہے۔"

(۲) دفعہ ۷ (۱) کے رو سے ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کے انتخاب میں رائے دینے والے دو قسم کے مسلمان ہونگے۔ ایک وہ جو اپنی ذاتی حیثیت سے رائے دینگے، مثلاً گریجویٹ، آنریری منصف وغیرہ، دوسرے وہ جو مسلمانوں کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے رائے دینگے، مثلاً لوکل بورڈز کے ممبران، مسلم ایجوکیشن کمیٹی کے ممبران وغیرہ۔ میرے خیال میں یہ اصول سراسر غلط ہے۔ نمائندہ مسلمانوں کو رائے دینے کا حق عطا کرنے کے بعد اُن مسلمانوں کو انفرادی حیثیت سے رائے دینے کا حق عطا کرنا جن کے اوصاف دفعہ ۷ (۱) میں درج ہیں، بالکل فضول ہے۔ نمائندہ مسلمانوں کو نمائندگی کی حیثیت انھیں مسلمانوں نیز طبقوں کے مسلمانوں کے ووٹ سے حاصل ہوتی ہے۔ لہذا اُن کا ووٹ فی الحقیقت تمام اُن مسلمانوں کا ووٹ ہوگا جنکے وہ نمائندے ہیں۔ پس اُصولاً کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ نمائندہ مسلمانوں کو بھی رائے دینے کا حق عطا کیا جائے، اور اُن مسلمانوں کو بھی جن کے وہ نمائندے ہیں۔ امین سے صرف ایک طبقہ کو رائے دینے کا حق ہونا چاہئے اور چونکہ وہ انتخاب جو براہ راست ووٹ دینے سے ہوتا ہے بدرجہا قابل ترجیح ہے بمقابلہ اُس انتخاب کے جو بالواسطہ ووٹ دینے سے عمل میں آتا ہے اسلئے میری رائے ہے کہ نمائندہ مسلمانوں کو بحیثیت نمائندہ رائے دینے کا حق نہ ہونا چاہئے۔

بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دوہرے حق انتخاب کا غلط اصول اس لئے روا رکھا گیا ہے کہ مبنی بر مصلحت ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ انفرادی حیثیت سے رائے دینے کا حق صرف اُنھیں لوگوں کو کیوں دیا گیا ہے جن کے اوقاف دفعہ ۷ (۱) میں درج ہیں۔ اُن کے علاوہ جو مسلمان ہیں کیا اُنھیں ڈسٹرکٹ وقف کمیٹیوں میں اپنی نمائندگی کا حق حاصل نہیں ہے؟ اگر ہے تو اُنھیں کیوں نظر انداز کیا گیا؟ کثیر التعداد مسلمان ایسے ہیں جو اُن اوصاف سے تو متصف نہیں ہیں جن کا ذکر دفعہ ۷ (۱) میں ہے، یعنی بڑے زمیندار، گریجویٹ، آنریری منصف، آنریری مجسٹریٹ نہیں ہیں۔ لیکن اوقاف کے تحفظ اور حسن انتظام سے اُن سے کم دلچسپی نہیں رکھتے، اور اپنے ووٹ کو سمجھ بوجھ کر استعمال کرنے کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں۔ موجودہ مسودۂ قانون میں اسکا مطلق خیال نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا اس خامی کو اس طور پر پورا کرنا چاہئے کہ دفعہ ۷ (۱) کے حرف (د) میں پانچ سو روپیہ سالانہ سرکاری مالگزاری کی جو رقم مقرر کی گئی ہے، اسے گھٹا کر چالیس روپئے کر دی جائے، اور دفعہ مذکور کے آخر میں حسب ذیل فقرہ بڑھا دیا جائے:۔

"(الف) ہر وہ مسلمان جو انکم ٹیکس ادا کرتا ہو اور اس

ضلع میں سکونت رکھتا ہو"

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ متوسط الحال جماعت بمقابلہ اعلیٰ طبقہ والوں کے جو پانچسو یا اس سے زائد سالانہ سرکاری مالگزاری ادا کرتے ہیں، یا آنریری مجسٹریٹ، آنریری منصف وغیرہ ہیں، غرباء کی ضروریات اور جذبات کو، جن کی نفع رسانی کیلئے جائدادیں خاص طور پر وقف ہوتی ہیں، بہتر محسوس کر سکتی اور سمجھ سکتی ہے۔

(۳) دفعہ ۷ (۳) کا منشا یہ ہے کہ دفعہ (۱) میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے اُنکے علاوہ کوئی شخص ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کا ممبر نہیں ہو سکتا۔ اس دفعہ کے آخر میں حسب ذیل الفاظ کا اضافہ ہونا ضروری ہے

"اور نہ اُسکے کسی سب کمیٹی میں لیا جائے گا، اور کوئی شخص جس کا کسی وقف کے انتظامی امور سے کسی طرح کا تعلق ہے یا اُسے موقوف علیہ ہونے کے علاوہ کسی حیثیت سے مالی نفع حاصل کرتا ہے، اُس ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کا ممبر نہ ہوگا اور نہ اُسکی کسی سب کمیٹی میں لیا جائیگا جس کے حدود اراضی کے اندر وقف مذکور واقع ہے۔"

(۴) ڈسٹرکٹ وقف کمیٹیوں کے وسیع اور مختلف النوع فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا ایک مستقل سٹاف بھی ہو اور اُسکے تقرر وغیرہ کی بابت ایک جدید دفعہ کا اضافہ کیا جائے۔

(۵) بجٹ، انتظام کا جزو لاینفک ہے۔ یہ دونوں دو جُداگانہ چیزیں نہیں ہیں۔ اس لئے دونوں کی بابت قطعی اور آخری فیصلہ کا اختیار ایک ہی شخص کو ہونا چاہئے۔ لیکن موجودہ مسودۂ قانون کی ترتیب میں اس اُصول کو یکسر فروگزاشت کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ انتظامی امور میں آخری فیصلہ پروکٹر کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے اور وہی ان معاملات میں احکام صادر کر سکتا ہے، (ملاحظہ ہو دفعہ ۱۵ (۲) کا حرف (h))۔ رہا بجٹ، تو اُسے ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی خود پاس کر سکتی ہے (ملاحظہ ہو دفعہ ۹ کا حرف (c))۔

یہ ایک فاش اصولی غلطی ہے جس کا دور ہونا ضروری ہے اور چونکہ جدید قانون وقف کا اصل مقصد یہ ہوگا کہ اوقاف کا انتظام بہتر اور معقول ہو اور معقول انتظام میں یہ چیز شامل ہے کہ بجٹ مناسب اور حسب حال ہو اس لئے جس طرح اور انتظامی معاملات کا فیصلہ پروکٹر کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے اُسی طرح بجٹ کا پاس کرنا بھی صرف اُسی کے اختیار میں ہونا چاہئے۔ لہذا دفعہ ۹ کے حرف (c) کا جو ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کو اس امر کا مجاز بناتا ہے کہ متولی کے پیش کردہ بجٹ کو پاس کرے، اور اگر اُسے نامنظور یا ترمیم کرے تو ایسی صورت میں پروکٹر کو رپورٹ کرے، حسب ذیل صورت میں ترمیم ہونا ضروری ہے۔

"دفعہ ۱۲ کے حرف (c) کی تحت میں متولی جو بجٹ پیش کرے اُسپر شرکت متولی بحث کرنا اور اُسے اپنی رائے، نیز اگر متولی کوئی بیان دینا چاہے تو اُس بیان کے ساتھ پروکٹر کے پاس

روانہ کرتا ۔"

(۶) بل کی موجودہ صورت یہ نہیں بتاتی کہ اگر کوئی ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی اپنے فرائض کی انجام دہی میں عمداً کوتاہی کرے یا اُس سے کوئی بے عنوانی سرزد ہو تو ایسی حالت میں کیا کیا جائے گا۔ دفعہ ۱۱ صرف اس امر کے متعلق ہے کہ محض مخصوص حالات میں ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کے ممبر علیحدہ کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس مسئلہ کے بھی تمام ضروری پہلوؤں پر غور نہیں کیا گیا ہے، چنانچہ اس سوال کے بابت کہ بعد علیحدگی وہ شخص پھر ممبر منتخب ہوسکتا ہے یا نہیں، یا یہ کہ بعد علیحدگی کیا طریق عمل اختیار کیا جائے گا، دفعہ مذکور بالکل خاموش ہے۔ نیز اس دفعہ کے آخر کے یہ الفاظ:۔

"پبلک مفاد کے حق میں"

ضرورت سے بہت زیادہ وسیع معنی رکھتے ہیں جو قابل اعتراض ہے۔ ان تمام نقائص کو دور کرنے کی غرض سے دفعہ ۱۱ کو حسب ذیل صورت میں رکھنا چاہیئے:۔

"(۱) ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی اور اسکی سب کمیٹیوں کی میعاد پانچسال ہوگی۔

(۲) اگر کسی ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں شدید کوتاہی سے کام لیا یا اپنے اثر کو ایسی بے دریغی کے ساتھ ناجائز طور پر استعمال کیا جو اُسکے وجود کو اُن اوقاف کے حق میں جو اُسکے حدود ارضی کے اندر واقع ہیں یا عام مسلمانوں کے اُن مفاد کے حق میں جو اوقاف مذکور سے وابستہ ہیں مضرت رساں بنا دینے والی ہو تو ایسی ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کو لوکل گورنمنٹ سفارش پر ڈکلکٹر معزول کرسکتی ہے۔"

(۳) الف۔ اگر کسی ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی یا سب کمیٹی کے کسی ممبر نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں شدید کوتاہی سے کام لیا، یا اپنے ممبر ہونے کی حیثیت کو ایسی بے دریغی کے ساتھ ناجائز طور پر استعمال کیا جو اُسکے بحیثیت ممبر قائم رہنے کو اُن اوقاف کے حق میں جو کمیٹی مذکور کے حدود ارضی کے اندر واقع ہیں، یا تمام مسلمانوں کے اُن مفاد کے حق میں جو اوقاف مذکورہ سے وابستہ ہیں مضرت رساں بنا دینے والی ہو، یا:۔

(ب) اگر کسی ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی یا سب کمیٹی کے کسی ممبر کا، ممبر ہونے کے بعد کسی ایسے وقف کے انتظامی امور سے کسی طرح کا تعلق پیدا ہوا جو کمیٹی مذکور کے حدود ارضی کے اندر واقع ہے، یا ممبر ہونے کے بعد اُس نے وقف مذکور سے موقوف علیہ ہونے کے علاوہ کسی حیثیت سے مالی نفع حاصل کرنا شروع کیا تو ایسے ممبر کو لوکل گورنمنٹ بسفارش ڈکلکٹر ممبری سے ہٹا سکتی ہے۔

(۴) ہر اُس ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کے بجائے جو سب سکشن (۲) کے ماتحت معزول ہوگی اور ہر اُس ممبر کے بجائے جو سب سکشن (۳) کے تحت میں علیحدہ ہوگا جدید ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی یا ممبر کا انتخاب حسب الحکم

لوکل گورنمنٹ عمل میں آئیگا جبتک جدید کمیٹی منتخب نہ ہولے گی اُسوقت تک ڈسٹرکٹ کمیٹی اور اُسکی سب کمیٹیوں کے تمام اختیارات پریسیڈنٹ کو حاصل ہونگے۔

(۵) الف - معزول شدہ ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کا کوئی ممبر یا وہ شخص جو سب سکشن ۳ (الف) کے ماتحت ممبری سے علیحدہ ہو گا دوبارہ ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کا ممبر منتخب ہونے کا مستحق نہ ہوگا۔

(ب) جو شخص سب سکشن ۳ (ب) کے ماتحت ممبری سے ہٹے گا وہ دوبارہ ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کا ممبر منتخب ہوسکتا ہے بشرطیکہ اُسکے ہٹائے جانے کے وجوہ معدوم ہوچکے ہوں۔"

(۷) وقف فلاح عقبیٰ کے لئے کیا جاتا ہے، اور کسی شخص کا اپنی جائداد کو اپنی ملکیت سے خارج کرکے خدا کی راہ میں بغرض رفاہ عام دکارخیر دیدینا نہایت قوی مذہبی جذبات کی دلیل ہے۔ ملکیت ایک نہایت عزیز شے ہے اور طبایع انسانی کو فطرۃً جو تعلق اس سے ہوتا ہے اُسکا اثر اُسکے دل و دماغ پر اسدرجہ مغلوب کرنے والا ہوتا ہے کہ دُنیا کی ہر شے ہیچ نظر آتی ہے۔ جو جذبہ اس اثر کو زائل، اور اُسکے زور کو فنا کردے اُسکی قوت کا اندازہ کرنا قیاس سے باہر ہے۔ لہذا واقف کے مذہبی جذبات، اُسکی قربت الٰہی کے حصول کی خواہش، اُس کا غیر معمولی ایثار، یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ہر شخص کو ہر زمانہ میں احترام کرنا چاہئے۔ لہذا نہ صرف اُن اغراض ومقاصد کی پابندی ہم پر لازمی ہے جن کے لئے واقف نے اپنی عزیز ملک کو راہ خدا میں دیا ہے بلکہ اگر جائداد موقوفہ کے طریق انتظام کے متعلق اُس نے کوئی خواہش ظاہر کی ہو تو اُسکا پاس ولحاظ کرنا اور حتی المقدور اُسپر عمل کرنیکی کوشش کرنا بھی ہمارا فرض ہے، اس لئے کہ اسکو بھی اُس نے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق حصول ثواب کا ایک ذریعہ سمجھا ہے اور آئندہ نسل کی دیانت اور امانت پر بھروسہ کرکے اپنے اطمینان قلب کے لئے اسکا اظہار کردیا ہے پس جدید قانون کو اوقاف کے لئے جنکے وجود کی بنا مذہبی ہے صحیح معنوں میں مفید اور مسلمانوں کے لئے قابل قبول بنانے کے واسطے یہ لازمی ہے جو کسی کو واقف کی خواہش اور منشا کے خلاف عمل کرنے کا مجاز بنائے۔ بنابریں دفعہ ۵ (۱) کے بعد ذیل کے فقرہ کا اضافہ ہونا ضروری ہے:-

"بشرطیکہ اگر دستاویز وقف میں جائداد موقوفہ کے طریق انتظام کے بابت کوئی خاص ہدایت درج ہے تو اُس صورت میں پروڈکٹر بغیر کافی اور معقول وجہ کے کوئی فعل ایسا نہ کرے گا جو ہدایت مذکور کے خلاف ہو۔"

(۸) دفعہ ۱۵ (۲) کے فقرہ (کا) کو ترمیم ہوکر حسب ذیل صورت میں ہونا چاہئے تاکہ پروڈکٹر کو متولی کے پیش کردہ بجٹ کے پاس کرنے یا اُسمیں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہو:-

" (کا) متولی کے ہر پیش کردہ بجٹ کو ڈسٹرکٹ

وقف کمیٹی کی سفارشات اور متولی کے بیان پر انکی غور و خوض کرنے کے بعد واقف کی خواہش اور منشاء کے مطابق پاس کرنا یا درست کرنا۔"

(۹) وقف کے درج رجسٹر کئے جانے کی درخواست کے لئے کوئی میعاد نہیں مقرر کی گئی ہے۔ حالانکہ میعاد کا تعین بہت ضروری ہے اور اس میعاد کو موجودہ اوقاف کے لئے جدید قانون وقف کی تاریخ نفاذ سے شروع ہونا چاہئے" اور آئندہ اوقاف کے لئے تاریخ وقف سے۔

(۱۰) دفعہ ۲۰ (۲) میں جہاں لفظ "وقف" تیسری بار آیا ہے اُسکے بعد ذیل کے الفاظ بڑھا دئے جائیں:۔

"اگر دستیاب ہوسکیں"

(۱۱) ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کے قیام اور پروٹکٹر کے تقرر کا ہرگز یہ منشا نہ ہونا چاہئے کہ عام مسلمانوں کو اُنکے اس حق سے محروم کر دیا جائے کہ وقف کے درج رجسٹر کئے جانے کی درخواست کے ساتھ، یا اسکے علاوہ جو کاغذات مفصل ہوں اُنکی صحت کی بابت اپنا اطمینان کریں اور اُنکے نقائص دور کرائیں۔ برخلاف اسکے اُنکے اس حق کو تسلیم کر لینا اور وقف عام کی نگرانی میں اُنھیں شریک کار رہنا جدید قانون وقف کے حصول مقاصد کے لئے نہایت ضروری ہے۔ لہذا دفعہ ۲۰ میں حسب ذیل سب سکشن (۴) کا جو مسلمان وقف ایکٹ سنہ ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۴ کی ترمیم شدہ صورت ہے، اضافہ ہونا بہت مناسب ہے

"(۴) حسب دفعات ۱۴، ۲۰ (۲) و ۲۱ کسی بیان یا کاغذ کے داخل ہونے پر پروٹکٹر، ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کے دفتر کے کسی نمایاں مقام پر نوٹس چسپاں کرا کے نیز اور دستور معینہ کے مطابق، اس امر کی اطلاع ہر خاص و عام کو دیگا، اسکے بعد ہر شخص بذریعہ تحریر مع فیس معینہ، پروٹکٹر سے یہ درخواست کر سکتا ہے کہ مزید بیانات یا کاغذات داخل کرنے کا حکم متولی کے نام صادر کیا جائے۔

درخواست مذکورہ کے گزرنے پر بعد تحقیقات مناسب اگر پروٹکٹر کی رائے میں وقف متعلقہ کی ابتدا، نوعیت یا اغراض و مقاصد یا جائداد موقوفہ کی عام یا انتظامی حالت کی بابت پوری معلومات حاصل کرنے کی غرض سے مزید بیانات یا کاغذات ضروری ہیں تو وہ متولی کو حکم دیگا کہ بیانات یا کاغذات مندرجہ حکم ایک میعاد خاص کے اندر داخل کرے۔"

موجودہ سب سکشن (۴) کو سب سکشن (۵) قرار دیا جائے۔

(۱۲) دفعہ ۲۲ (۱) کے رو سے پروٹکٹر کے حسابات کی جانچ وہ آڈیٹرز کریں گے جن کا تقرر زیر دفعہ ۱۴ عمل میں آئیگا یعنی جنھیں پروٹکٹر خود مقرر کرے گا۔ یہ صریحی طور پر نہایت قابل اعتراض بات ہے۔ ان حسابات کی جانچ لوکل گورنمنٹ کے مقرر کئے ہوئے آڈیٹر کی معرفت ہونی چاہئے۔

(۱۳) دفعہ ۲۳ کا یہ منشاء نہایت مناسب ہے کہ کسی وقف کے درج رجسٹر کئے جانے کی درخواست کے ساتھ جو بیانات و کاغذات داخل ہوں اُنکی تصدیق یا آڈیٹر کی رپورٹ پر عمل

کرنے کی غرض سے پروٹکٹر کو اختیار ہوگا کہ بذات خود یا اپنے کسی ماتحت افسر یا ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی کی معرفت جس امر کی چاہے تحقیقات کرے۔ مگر ساتھ ہی اسکے عام مسلمانوں کو بھی یہ حق دینا چاہیئے کہ بذریعۂ درخواست پروٹکٹر کو اس کارروائی پر آمادہ کرسکیں۔

(۱۴) اُن وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر نمبر (۱۱) میں کیا گیا ہے دفعہ ۲۳ میں حسب ذیل سب سکشن (۲)، کا جو مسلمان وقف ایکٹ سنہ ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۹ کی ترمیم شدہ صورت ہے، اضافہ ہونا ضروری ہے:۔

" ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ باجازت پروٹکٹر اور باداے رسوم مقررہ' دفتر پروٹکٹر کے کھلے رہنے کے اوقات میں ہر اُس بیان یا کاغذ یا حساب کا جو زیر دفعات ۱۲، ۲۰ (۲) و ۲۱ داخل ہو یا اُس آڈٹ رپورٹ کا جو دفعہ ۲۲ (۲) کے فقرہ (ب) کے تحت میں پیش ہو، قاعدۂ مقررہ کے مطابق معائنہ کرے' یا اُسکی نقل حاصل کرے۔"

موجودہ دفعہ ۲۳ 'دفعہ ۲۳ (۱) قرار دیا جائے۔"

(۱۵) دفعہ ۴۲ کے رو سے ہر اُس شخص کو جس کا کوئی مفاد کسی وقف سے وابستہ ہو یہ حق حاصل ہوگا کہ اُس وقف کے انتظامی امور کی بابت تحقیقات کرانے کی درخواست دے سکے۔ اس دفعہ میں یہ اضافہ ہونا چاہیئے کہ ہر ایسے شخص کو یہ بھی حق ہوگا کہ ڈسٹرکٹ وقف کمیٹی یا سب کمیٹی کے کسی فعل یا ترک فعل کی بابت تحقیقات کرانے کی درخواست دے سکے۔ اول تو اوقاف کے معاملات میں ڈسٹرکٹ کمیٹیوں کے اختیارات وسیع ہونگے۔ دوسرے یہ معاملات پروٹکٹر کے سامنے خاص طور پر اُن ہی کے معرفت پیش ہونگے۔ لہذا جب تک یہ مان نہ لیا جائے کہ وہ انسانی کمزوریوں سے بالاتر ہونگی' مسلم پبلک کو قانوناً اس بات کا حق حاصل ہونا چاہیئے کہ اُنکی غلطیوں کے اظہار و انسداد کے لئے پروٹکٹر سے فریادی ہوں۔

(۱۶) دفعہ ۲۶ (۱) میں منجملہ اور امور کے ایک یہ ہے کہ بصورت معدوم ہونے اغراض وقف کے پروٹکٹر جائداد موقوفہ کے استعمال کی بابت عدالت سے حکم یا ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔ یہ ایک اہم چیز ہے۔ بصورت مذکورہ یہ بہت ضروری ہے کہ فیصلہ ہر لحاظ سے مناسب اور عام طور پر تسکین بخش ہو پس اس معاملہ میں محض ڈسٹرکٹ جج کی رائے پر بھروسہ کر لینا ہرگز قرین مصلحت نہیں ہے۔ بلکہ اسکے خلاف متولی، نیز دیگر اشخاص کو اپیل کا حق دینا ضروری ہے۔

(۱۷) دفعہ ۲۷ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے لفظ "دائر" (INSTITUTED) کے بعد ذیل کے الفاظ بڑھا دئے جائیں:۔ " اُس قانون کے ماتحت"

(۱۸) جدید قانون پر عملدرآمد کرانے یا اُسکی تحت میں دادرسی حاصل کرنے کے لئے کوئی عدالت مخصوص نہیں کی گئی ہے۔ بل میں لفظ "COURT" کی جو تعریف کی گئی ہے اُس سے اس مسئلہ میں کوئی اعانت نہیں ملتی۔ لہذا

دفعہ ۲۷ میں حسبِ ذیل سب سکشن (ب) کا اضافہ ہونا چاہئیے:-
"(ب) صرف ڈسٹرکٹ جج یا اُس عدالت کو جسے لوکل گورنمنٹ نے اس معاملہ میں خاص طور پر مجاز بنایا ہو، اس قانون کی تحت میں اختیارِ سماعت حاصل ہوگا۔
ہر شخص عدالت مذکورہ میں اس قانون پر عملدرآمد کرانے یا اُسکی تحت میں دادرسی حاصل کرنے کے لئے بذریعۂ تحریر درخواست کرسکتا ہے، اور عدالت بعد تحقیقات مناسب قانون کے مطابق حکم صادر کرے گی"
موجودہ دفعہ ۲۷، ۲۷ (الف) قرار دیا جائے۔
بنا بریں ضابطۂ دیوانی کی اُن دفعات کا جنکا تعلق عدالتوں کے حدود اراضی سے ہے، اسطور پر ترمیم ہونا لازمی ہے کہ مذکورۂ بالا درخواستیں پروٹکٹر کے خلاف ہر اُس ضلع میں داخل ہوسکیں جہاں کوئی وقف واقع ہو، یا خود جدید قانون وقف میں اس طرح کی درخواستوں کو مذکورۂ بالا دفعات ضابطۂ دیوانی کے اثر سے مستثنےٰ کردیا جائے۔
(۱۹) دفعہ ۲۸ یہ ہے کہ پروٹکٹر کے کسی فعل کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی - یہ دفعہ مجوزہ قانون وقف کے اغراض ومقاصد کے بالکل منافی ہے - متولیوں کے حقوق وفرائض وغیرہ کی بابت شرعی احکام جو کچھ بھی ہوں، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اوقاف اور متولیوں کے متعلق جدید قانون کی تحت میں پروٹکٹر کے اختیارات بہت وسیع ہونگے - لیکن ساتھ ہی اسکے کسی متولی یا ایسے شخص کو جسکا کسی طرح کا مفاد کسی وقف سے وابستہ ہو مطلق یہ حق نہو گا کہ اسکی غلطیوں کا عدالت میں اظہار کرسکے یا اُسکے خلاف کوئی چارہ جوئی کرسکے - ایسی حالت میں جدید قانون کا اگر کوئی اثر ہوسکتا ہے تو صرف یہ کہ جیسی اور غیر ذمہ داری کا جو عالم اسوقت امام باڑوں اور خانقاہوں پر طاری ہے وہ پروٹکٹر کے دفتر میں منتقل ہوجائے، البتہ فرق یہ ہوگا کہ بھگڑے ہونگے یہ جدید طبقہ قانون کے آڑ میں اُن نتائج سے مصئون ومحفوظ ہوگا جو متولیوں اور سجادہ نشینوں کو بھگتنے پڑتے - پس یہ نہایت ضروری ہے کہ جدید قانون میں ہر اُس شخص کے حقوق کا کافی تحفظ کیا جائے جس کے کسی طرح کے مفاد پر پروٹکٹر کے فیصلوں کے خلاف اثر پڑنے والا ہو - اسکی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، یا تو ہر شخص کو خواہ وہ متولی ہو یا موقوف علیہ اس امر کا قانونی حق عطا کیا جائے کہ پروٹکٹر کی کارروائیوں کے خلاف وہ عدالت میں چارہ جوئی کرسکے، یا اہم اور مخصوص معاملات میں ایک مقررہ ضابطہ کی پابندی پروٹکٹر پر لازمی کردیجائے میرے خیال میں جدید قانون کے مقاصد کے لحاظ سے مؤخر الذکر صورت زیادہ مناسب ہے اسلئے کہ پروٹکٹر کا تعلق خاص طور پر انتظامی امور سے ہوگا، اور یہ امور بیشتر ایسے ہوتے ہیں جن میں تحقیق کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے۔
لہذا قانون میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئیے جس سے متولیوں کو یہ موقع حاصل ہو کہ پروٹکٹر کو قدم قدم پر طول طویل مقدمہ بازی میں اُٹھا کر اسکی تجاویز اور احکام کو معرضِ التوا میں ڈال دیں، ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے میری تجویز یہ ہے کہ پروٹکٹر کا یہ فرض قرار دیدیا جائے کہ اہم معاملات میں جنکی فہرست درج قانون ہونا چاہئے

وہ معاملہ کے تمام ضروری واقعات اور حالات قلمبند کرکے مع اپنی رائے کے الہ آباد ہائیکورٹ یا لکھنؤ چیف کورٹ بغرض تصفیہ بھیجے اور اُسی تصفیہ پر عمل پیرا ہو۔" اور ضابطۂ دیوانی کے آرڈر ۴۴ کے بیچ پر ایسی دفعات کا اضافہ کیا جائے جن کے باعث مذکورۂ بالا تصفیہ جلد از جلد ہوسکے۔ اس صورت میں انصاف بھی ہوگا اور وقت بھی نہیں ضایع ہوگا۔

(۲۰) دفعہ ۱۸ کے فقرہ (اے) کے آخر میں حسب ذیل الفاظ بڑھا دئے جائیں:-

"اندر میعاد معینہ"

(۲۱) دفعۂ مذکور کے فقرہ (سی) کے آخر میں ذیل کے الفاظ بڑھائے جائیں:-

"یا اُسکے احکام زیر دفعہ ۲۰ (۴) کے تعمیل کرنے سے"

(۲۲) لطف کی بات یہ ہے کہ بل کا منشا ہے اوقاف کی انتظامی حالت کو درست کرنا، اور شروع سے آخر تک اُس میں اسی کے سلسلہ کی باتیں ہیں لیکن یہ کبھی نہیں خیال کیا گیا کہ اگر کوئی متولی پرڈکٹر کے انتظامی اصلاح کے احکام کی بالقصد خلاف ورزی کرے تو کیا صورت عمل میں لائی جائے گی۔ مسودہ کی تعزیری دفعہ (یعنی دفعہ ۳۱) میں بھی جس میں اُن امور کی فہرست دی گئی ہے جنکی بابت کسی متولی سے تصور واقع ہونے کی صورت میں اُسے جرمانہ ادا کرنا ہوگا یا اپنے عہدہ سے ہٹنا پڑے گا، مذکورۂ بالا اصلاحات کا امکان یک لخت نظر انداز کردیا گیا ہے۔ نیز دفعۂ مذکور میں کسی جرم کے اعادہ کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی ہے۔ صرف یہ بتا دیا گیا ہے کہ پہلی بار دو سو پچاس روپیہ جرمانہ ہوگا، اُسکے بعد ہر ارتکاب جرم پر ایک ہزار۔

میری رائے میں مناسب یہ ہوگا کہ تیسری بار ارتکاب جرم ثابت ہونے پر متولی تولیت سے ہٹا دیا جائے۔

(۲۳) یو۔پی وقف فنڈ کی بابت جو دفعہ ۴۳ کی تحت میں قائم ہوگا، دفعۂ مذکور میں یہ بھی ہے کہ اُس کا کوئی جزو گورنمنٹ کی منظوری سے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی یا صوبجات متحدہ کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ اسکے معنے یہ ہوئے کہ:-

(۱) کل فنڈ مذکورۂ بالا مقاصد کے علاوہ اور کاموں میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے۔

(۲) مسلمانوں کی تعلیم یا فلاح و بہبود میں صرف ایک جزو صرف کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اس مسئلہ کی بابت کہ کسی خاص زمانہ یا خاص حالات میں مسلمانوں کے لئے کس قسم کی تعلیم مناسب و مفید ہوگی یا اُنکی حقیقی فلاح و بہبود کس چیز میں متصور ہوگی۔ خود مسلم قوم کی رائے کوئی شے نہیں ہے۔

یہ ایک ایسی تجویز ہے جسے کوئی مسلمان کسی حالت میں قبول نہیں کر سکتا۔ گورنمنٹ یا پرڈکٹر کو ہرگز یہ حق نہیں ہو سکتا کہ ایک ایسے سرمایہ کو جو مسلمانوں کی ملک ہوگا اُنکے مفاد کے علاوہ کسی اور مصرف میں لائیں، یا

اُن سے استصواب رائے کئے بغیر خود جس تعلیم کو اُن کے لئے مفید سمجھیں یا جس چیز کو اُن کی فلاح کا باعث تصور کریں اُسپر صرف کریں۔ پس دفعہ ۳۶ کے آخری جملہ کو اس طور پر ہونا چاہئے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ فنڈ مذکورہ کلیتاً مسلمانان صوبہ جات متحدہ کے مفاد کے لئے ہوگا اور اُن کی تعلیم اور عام فلاح و بہبود میں گورنمنٹ کی منظوری اور ڈسٹرکٹ وقف کمیٹیوں کی اکثریت کے اتفاق آرا سے صرف کیا جائیگا۔

(۲۴) بل میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر پر وکمشنر دفعہ ۳۱ (۱) کی تحت میں کسی متولی کی علٰحدگی کا حکم دے اور وہ متولی اُس حکم کے تعمیل سے انکار کرے تو ایسی حالت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ اس مسئلہ کو بھی اُس فہرست میں داخل ہونا چاہئے جس کی بابت لوکل گورنمنٹ کو زیر دفعہ ۳۲ (۲) قواعد بنانے کا اختیار ہے۔

مسلمان اور اُن کا مستقبل

مصنفہ جناب مقبول احمد الہ آبادی جس میں عربوں کے گزشتہ اکتسابات، انکی جد و جہد، انکے عروج و زوال پر محاکمہ کیا گیا ہے اور انکے سیاسی مستقبل کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ صرف چند جلدیں رہ گئی ہیں قیمت عہ ر

کلیات حسرت

رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی کے ابتک کے کلام کا ایک ضخیم مجموعہ۔ قیمت تین روپئے۔

ملنے کا پتہ منیجر ایوان اشاعت گورکھپور

آہنگ ناہید

یہ چند اشعار چونکہ جذبات کی سادگی اور خصوصیت کے نمونے ہیں اور ایسے تغزل کی تحت میں آتے ہیں جو تکلف اور تصنع سے یکسر عاری ہو اسلئے اپنے اندر ایک تاثیر رکھتے ہیں۔ ایڈیٹر

پھر طبیعت جو رنگ لائی ہے
دل پہ پھر کچھ گھٹا سی چھائی ہے
روز ہو اک نیا ستم ایجاد
آپ کے ہاتھ میں خدائی ہے

غیر سے اختلاط رکھتے ہو
ہم سے اندازِ پارسائی ہے
زندگی مفت ہو گئی برباد
کیا تری شانِ کبریائی ہے

تھک کے راہِ طلب میں بیٹھ رہے
حدِ مطلوب کس نے پائی ہے
گزری باتوں کو بھول جا ناہید
اب تری جان پر بن آئی ہے

عزمِ اُستوار

(ثاقب کانپوری)

میں رہا کرتا ہوں اکثر غرقِ حُسنِ صوت میں
میری نظروں کے لئے ہر جلوہ برقِ طور ہے
تو نے دُنیا کو سمجھ رکھا ہے زندانِ الم
ہے یہ غفلت ورنہ ہر شے دہر کی مسرور ہے

کیوں سمجھتا ہے کہ دُنیا یاس و غم کا نام ہے
یہ تخیل ننگ ہے روحِ شرافت کیلئے
تو اگر زندہ ہے دے اپنا ثبوتِ زندگی
ساری دُنیا صید ہے مردانہ ہمت کیلئے

ہو اگر ہمت بدل جاتے ہیں طوفانِ حیات
یہ ہوائے تیز کیا ہے صرف اک سازِ طرب
ہوں اگر دل میں اُمنگیں اور سماعت مطمئن
خشمگیں موجوں میں سُن سکتا ہے آوازِ طرب

ہیچ اور بے مایہ ہیں دُنیا میں یہ کوہ و جبل
ہمتِ مردانہ کی نظروں میں سب پست ہیں
خود غرور کامرانی چوم لیتا ہے قدم
اپنی ہی ہمت کے نشے میں جو انساں مست ہیں

جب کبھی بیدار ہو جاتا ہے عزمِ اُستوار
نغمہ بن جاتا ہے خود بڑھتے ہوئے دریا کا جوش
یہ گھٹائیں یہ تلاطم یہ بھنور کچھ بھی نہیں
پست کر دیتا ہے طوفانوں کو انسانی خروش

ضمیمۂ ایوان (الف)

مسودۂ قانون اوقاف صوبہ متحدہ

مرتبۂ خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب سی، آئی، ای

ذیل میں وہ مسودہ قانون درج کیا جاتا ہے جو خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب نے ۲۰ دسمبر کو کونسل صوبہ متحدہ میں پیش کیا۔

(۱) تمہید۔ اس قانون کا نام ہوگا۔ صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کا قانون اوقاف سنہ ۱۹۳۴ء

(۲) اس کا نفاذ اس تاریخ سے ہوگا جس تاریخ سے لوکل گورنمنٹ گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کرے گی۔

(۳) یہ تمام صوبہ متحدہ میں جاری ہوگا اور ان تمام اوقاف کے لئے ہوگا جو تمام تر یا اس کا کچھ حصہ صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں ہے۔ سوا ان صورتوں کے جن کا خاص طور سے اس قانون میں ذکر کر دیا گیا۔ اس قانون کا اثر ان تمام اوقاف پر ہوگا جو پہلے سے قائم ہوں یا اس کے بعد قائم کئے جائیں۔

(۴) حسب ذیل قوانین و ضوابط منسوخ کئے جاتے ہیں جہاں تک کہ وہ اس قانون کی دفعات کے خلاف ہیں۔

(الف) رجسٹریشن نمبر ۹ سنہ ۱۸۰۸ء

(ب) مذہبی اوقاف کا قانون سنہ ۱۸۶۳ء

(ج) خیراتی اوقاف کا قانون سنہ ۱۸۹۰ء

(د) خیراتی و مذہبی ٹرسٹ کا قانون سنہ ۱۹۲۰ء

(س) مسلمان وقف ایکٹ سنہ ۱۹۲۳ء

(۵) اس قانون میں لفظ "وقف" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص جو مسلمان ہو مستقل طور سے اپنی جائداد کو کسی ایسے مقصد کے لئے وقف کرے جس کو شرع اسلامی کے بموجب کار خیر کے لئے مذہبی اور خیراتی سمجھا جائے۔ اور جو شخص وقف کرے اسے واقف کہا جائے گا۔

۲۔ **پبلک وقف** کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذاتی نہ ہو جس کی اس قانون میں تشریح کر دی گئی ہے اور اس میں وہ وقف بھی شامل ہے جو ابتداءً تو ذاتی حیثیت کا ہو لیکن بعد کو واقف اس کی اولاد اور اس کے وارثوں کی وفات کے بعد اس کا فائدہ غربا کو اور مذہبی و خیراتی کاموں کو پہونچتا ہو

۳۔ **پرائیوٹ**۔ اس کو کہتے ہیں جس کا فائدہ صرف واقف اور اس کے خاندان و ورثا کو اپنی گذر اوقات کیلئے پہونچے جب تک وہ حیات ہوں

۴۔ **وقف نامہ** کے معنی یہ ہیں کہ ایسی دستاویز جس سے پبلک وقف قائم کیا جائے اور اس میں ہبہ کی ایسی دستاویز

بھی شامل ہوگا جس سے وقف کنندہ کی استثنائی ضروریات میں
کوئی شے لی گئی ہو۔

۵- وقف کے معنی ہیں کہ وہ جائداد یا اثاثہ خواہ وہ کسی قسم کا ہو جس کو بطور وقف کے استعمال کیا گیا ہو یا مخصوص کیا گیا ہو جو بطور کسی وقف کے درج کیا گیا ہو اور ایسے ہی مقاصد کیلئے مخصوص ہو۔

۶- مستحق کے معنی ہیں ایسے منافع کے ہیں جس کا ایک شخص بحیثیت متولی اس کی بنا پر خود کو حقدار سمجھے

۷- حقدار کے معنی ہیں وہ شخص یا وہ چیز جس کیلئے فائدہ کیلئے وقف قائم کیا گیا ہو اور اس میں مذہبی، مقدس اور خیراتی کام بھی شامل ہیں۔ مثلاً مسجد، عیدگاہ، قبرستان، مکتب، مدرسہ، اسپتال، یتیم خانہ، کالج، دواخانہ، مسافر خانہ، سڑک، تالاب، کنواں یا کوئی چیز جس سے پبلک کام لیتی ہو اور جو مسلم قوم یا مسلمانوں کے کسی خاص فرقہ کے فائدہ کیلئے ہو۔

۸- متولی کے معنی ہیں کسی وقف کا منیجر اور اس میں امین سجادہ نشین، خادم، اور نائب متولی بھی شامل ہیں اور بعض صورتوں کے سوا جن کی اس قانون میں تصریح کر دی گئی ہے ہر وہ شخص جو کسی وقت کسی وقف کا منتظم ہو۔

۹- مفروضہ جائیداد کے معنی ہیں واقف اور اس کے اہل خاندان اور اس کے ورثا کی رہائش و گذر اوقات بھی شامل ہے اور اگر واقف حنفی عقیدے کا مسلمان ہے تو واقف کے قرضوں کی ادائی بھی شامل ہے۔

توضیح ـ [illegible] بیٹی، بیوی جن سے خاندان کے کسی بزرگ عزیز یا خود واقف کے ذریعے رشتہ داری ہو نیز وہ لوگ جو اس کے ساتھ رہتے ہیں اور واقف ہی اس کا کفیل ہو اگرچہ وہ اس کے کوئی عزیز نہ ہوں۔

۱۰- حصہ دار کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو کسی وقف سے مالی فائدہ پانے کا مستحق ہو اور نیز وہ شخص جو اس کا حق رکھتا ہے کہ وہ کسی مسجد، عیدگاہ، امام باڑہ یا اور کسی عبادت گاہ میں عبادت کر سکے یا ریاضت کر سکے اور اس میں محافظ وقف بھی شامل ہے جس کا ذکر اس قانون میں کر دیا گیا ہے۔

۱۱- جائداد منقولہ میں سرکاری دستاویزات، بانڈز اور کمپنی کے حصے، کمپنیاں اور دوسری قسم کی دستاویزیں اور ضمانتیں شامل ہیں۔

۱۲- درج ہونے کے معنی یہ ہیں کہ باضابطہ وقف نامہ اور ان باتوں کی تکمیل ہو جانا جن کی اس قانون کی دفعہ ۳۰ میں تشریح کر دی گئی ہے۔

۱۳- نافذ کرنے کے معنی ہیں کہ لوکل گورنمنٹ نے اس قانون کے تحت جاری کیا ہو۔

۱۴- عدالت کے معنی ہیں ڈسٹرکٹ جج کی عدالت یا اور کوئی عدالت جس کو اس قانون کے ماتحت لوکل گورنمنٹ نے جاری کیا ہو۔

۱۵- ڈگری کے معنی ہیں عدالت کا حکم جس پر بذریعہ قرقی عمل درآمد کیا جا سکے۔

باب اول

اضلاع کی وقف کمیٹیاں (۵) اس قانون کے نفاذ کے چھ ماہ بعد لوکل گورنمنٹ ایک اطلاع کے ذریعہ ہدایت کرے گی کہ ضلع وقف کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

(۶) ضلع کی وقف کمیٹی میں چھ سے نو تک ممبر ہوں گے اور اس تعداد کو ضلع کی حیثیت دیکھتے ہوئے لوکل گورنمنٹ متعین کرے گی اور اس کمیٹی کے تمام ارکان مسلمان ہوں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا ہر کمیٹی کے ایک تہائی ارکان شیعہ ہوں گے۔

(۷) جو کمیٹیاں صرف چھ ممبروں کی ہوں گی ان میں دو اور جو کمیٹیاں نو ممبروں کی ہوں گی ان میں تین ممبر لوکل گورنمنٹ نامزد کر دے گی بقیہ ممبران حسب ذیل طریقہ سے ذیل کے اشخاص منتخب کیا کریں گے۔

(الف) میونسپل بورڈ و ڈسٹرکٹ بورڈ کے مسلم ممبران مسلم تعلیمی کمیٹی یا کسی مذہبی کمیٹی کے ارکان۔

(ب) تمام مسلمان آنریری مجسٹریٹ، آنریری منصف آنریری اسسٹنٹ کلکٹر جو اس ضلع میں کام کرتے ہوں

(ج) تمام وہ مسلم گریجویٹ جنہیں گریجویٹ ہوئے پانچ سال سے زیادہ ہو چکے اور اس ضلع میں رہتے ہیں یا وہ لوگ جو کسی مستند تعلیم گاہ سے علوم مشرقی کی ڈگری رکھتے ہوں

(د) تمام وہ مسلم زمیندار جو پچیس روپیہ سالانہ یا زیادہ مالگذاری دیتے ہوں اور اس ضلع میں رہتے ہیں۔

(ہ) تمام وہ مسلم جماعتوں اور اداروں کے عہدہ دار جن کی سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء کے مطابق رجسٹری ہو چکی ہیں

(و) تمام وہ لوگ جو صوبہ متحدہ کی کونسل کے انتخابی قوانین کے مطابق حق رائے دہندگی سے محروم کر دیے گئے ہیں وہ ذکر کردہ وقف کمیٹیوں کے بھی ووٹر نہیں ہو سکتے۔

(۳) کوئی شخص جو ان طبقوں میں شامل نہ ہو جن کا دفعہ ۱۱ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ ضلع کی وقف کمیٹی کا ممبر نہیں ہو سکتا۔

(۴) وقف کمیٹیوں کے ارکان پانچ سال کے لیے منتخب ہوا کریں گے۔

(۵) ضلع کی وقف کمیٹی کے صدر کو لوکل گورنمنٹ نامزد کیا کرے گی اور کوئی مسلمان سینیئر جوڈیشل یا کلکٹر افسر یا ڈپٹی کلکٹر منصف یا سب جج ہوا کرے گا۔

(۶) کمیٹی کے سکریٹری کو کمیٹی کے ارکان ہی منتخب کریں گے اور وہ اعزازی ہوگا۔

۷۔ (۱) اس کمیٹی کا جلسہ تین ماہ میں کم از کم ایک مرتبہ ہوا کرے گا۔

(۲) ان کمیٹیوں کا کورم تین ہوا کرے گا۔ اگر کمیٹی کے چھ ممبر ہوں اور کورم چار ہوگا اگر کمیٹی کے ارکان سات یا آٹھ ہوں گے اور کورم پانچ ہوگا اور اگر کمیٹی کے تعداد ارکان نو ہوگی۔

۸۔ محافظ اوقاف کے ماتحت اضلاع کی وقف کمیٹیوں کے فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مقامی اوقاف کے معاملات و انتظامات کی تحقیقات کرنا اور محافظ اوقاف کو اس کے متعلق رپورٹ کرنا۔

(ب) تمام درخواستیں جو دفعہ ۲۰ کے ماتحت رجسٹری کیلئے ہوں اور اوقاف کا حساب جو متولی دفعہ ۲۰ کے ماتحت پیش کریں ان کو انہی کے ساتھ محافظ اوقاف کے پاس بھیجدینا

(ج) متولی دفعہ ۱۱ کے ماتحت جو بجٹ پیش کریں اس پر بحث و مشورہ کرکے اسے پاس کرنا یا مسترد کرنا یا اس میں ترمیم کرنا آخر صورت میں اپنی کارروائی سے مطلع کرنا ضروری ہوگا

(س) تمام مذہبی اور خیراتی مسلم عمارتوں کی حفاظت و نگہداشت کرنا جو کسی متولی کے انتظام نہ ہوں۔

(ص) ایسی موقوفہ جائدادیں جن پر ناجائز طور پر دوسروں نے قبضہ کرلیا ہے۔ ان کی تفتیش کرکے محافظ اوقاف کی منظوری حاصل کرکے عدالتی کارروائی کرنا۔

(ض) محافظ اوقاف سے سفارش کرنا کہ مذہبی وقف کی آمدنی ایسے کاموں میں صرف کیجائے جو کمیٹی کے نزدیک مناسب ہوں۔ بلکہ وقف میں یہ مقاصد نہ شامل ہوں اور یا اس صورت میں کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہو وہ باقی نہ رہے۔

(ط) اگر تولیت میں یا وقف کی جائداد یا آمدنی وغیرہ کی تبدیلی ہو اس سے محافظ اوقاف کو مطلع کرنا۔

(ظ) تمام ان فرائض کو انجام دینا جو محافظ اوقاف کمیٹی کے سپرد کرے اور جو اس وقف کی کسی دفعہ کے خلاف نہ ہوں۔

(ع) کمیٹی کے کسی ایک ممبر یا چند ممبران کو جائداد موقوفہ کا معائنہ کرنے اور متولی کے طریق انتظام کی تحقیق کرنے کیلئے روانہ کرنا۔

(۱۰) اضلاع کی وقف کمیٹیاں دو سب کمیٹیوں میں تقسیم ہونگی۔ ایک سنیوں اور ایک شیعوں کی شیعہ و سنی اوقاف کے بجٹ پہلے انہی سب کمیٹیوں کے سامنے جائیں گے اور اس کے بعد وہ ضلع کی وقف کمیٹی کے سامنے پیش ہونگے

۲- یہ سب کمیٹیاں کم ازکم تین ممبروں کی ہونگی اور اگر کسی ضلع میں ایک فرقہ کے تین ممبر ضلع کمیٹی میں نہ ہوں تو اسی فرقہ کے کسی شخص کو ضلع کمیٹی اس کام کے لئے بطور زائد ممبر نامزد کرے گی۔ لیکن یہ ممبر ضلع کمیٹی کا ممبر نہیں ہوگا۔

۳- ہر سب کمیٹی اپنا صدر خود منتخب کرے گی۔

۱۱- اضلاع کی کمیٹیوں اور ان کی سب کمیٹیوں کی مدت ۵ سال کی ہوا کرے گی۔ ضلع کے وقف کمیٹی کے کسی ممبر کو لوکل گورنمنٹ محافظ اوقات کی اس شکایت پر کہ اس نے اپنے فرائض سے کوتاہی کی یا اپنے اختیارات کو بہ حیثیت ممبر کمیٹی نے نہایت ناواجب طور پر استعمال کیا کہ اس سے پبلک مفاد کو نقصان پہنچا اس کے عہدہ سے ہٹا سکتی ہے۔

۱۲- ہر متولی کا فرض ہوگا کہ اس قانون کے ماتحت ضلع کی وقف کمیٹی یا محافظ اوقاف جو ہدایت اسے وقف کے بہتر انتظام کے لئے کرے وہ اس پر عمل کرے۔

(الف) اور خصوصاً اس کا فرض ہوگا کہ اپنے زیر انتظام وقف کا مفصل حساب پیش کرے۔

(ب) ۳۱ مارچ سے ایک ماہ کے اندر وقف کا کل حساب و کتاب محافظ اوقاف کی ہدایت کے بموجب اور اس کی مقرر کردہ شکل میں ان تمام رقومات کی بابتہ وہ ایک سال کے اندر

قف کی آمدنی سے خرچ کی گئی ہیں پیش کرے۔
(ج) سال آئندہ کے آمد و خرچ کا حساب بھی مرتب کر کے
س سال کے شروع ہونے سے تین ماہ قبل پیش کرے۔
(۲) آمد و خرچ کی تمام تفصیلات، حسابات اور بیانات
ن کا ذکر ماتحت دفعہ میں کیا گیا ہے۔ سنی اور شیعہ سب کمیٹیوں
کے ذریعہ ضلع کمیٹیوں کو پیش کیا جائے گا۔ اپنے حسابات
سمجھانے کے لئے خود متولی یا اس کے ایجنٹ کو بھی کمیٹی
ں حاضر ہونا پڑیگا۔

باب دوم

محافظ اوقاف

۱۱ (۱) اس قانون کے نفاذ کے تین ماہ کے اندر لوکل
نمنٹ بذریعہ گورنمنٹ گزٹ کسی مسلمان کے محافظ
اف (محافظ اوقاف) مقرر کئے جانے کا اعلان کریگی
لوکل گورنمنٹ ہی اس کا صدر مقام مقرر کرے گی محافظ
اف کے تقرر سے متعلق تمام باتوں کو لوکل گورنمنٹ طے
ے گی۔
محافظ اوقاف تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۱ کے مطابق
اری ملازم سمجھا جائے گا اور وہ اپنا تمام وقت اپنے عہدہ
کام میں صرف کرے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی سرکاری
ب عہدہ نہیں رہ سکتا۔ نہ کسی پیشہ کا کام کر سکتا ہے
رت کر سکتا ہے نہ ٹرسٹی یا متولی ہو سکتا ہے۔ اور نہ کسی
ن کا ممبر ہو سکتا ہے۔

۱۴۔ (۱) محافظ اوقاف حسب ضرورت لوکل گورنمنٹ
کی ہدایت اور اس کے مقرر کردہ قواعد ملازمت اور شرح
تنخواہ ہر وقف کیلئے سپرنٹنڈنٹ انسپکٹر آڈیٹر اور دیگر
ماتحت افسران مقرر کرے گا۔
(۲) تمام اشخاص جو اس طرح مقرر ہوں گے وہ تعزیرات
ہند ۱۸۶۰ء کی دفعہ ۲۱ کے مطابق سرکاری ملازم متصور
ہوں گے۔

۱۵۔ (۱) صوبہ متحدہ کے تمام اوقاف کی نگرانی محافظ اوقاف
سے متعلق ہوگی اور وہ اس امر کی پوری کوشش و نگرانی
کرے گا کہ اوقاف کا بہترین انتظام ہو اور ان کی آمدنی انہی
کاموں میں صرف ہو جن کے لئے وہ وقف کی گئی ہے۔
(۲) بشرطیکہ ضمنی دفعہ (۱) کی عام شرائط کے خلاف نہ ہو
اور ان قواعد و ضوابط کے ماتحت جو لوکل گورنمنٹ بنائے
گی۔ محافظ اوقاف کے فرائض و اختیارات حسب ذیل ہونگے
(الف) صوبہ کے جملہ اوقاف کا صحیح ریکارڈ رکھنا جس
میں اس وقف کی تاریخ آمدنی اس کے اغراض اور تمام
دیگر متعلقہ امور بالتفصیل درج ہوں۔
(ب) متولیوں کے مرتبہ اوقاف کے ان بجٹ کا منظور
کرنا جن کو ضلع کی وقف کمیٹیوں نے پاس کیا ہو۔
(ج) اوقاف کے انتظام کے سلسلہ میں حسب ضرورت
عدالتی کارروائیاں کرنا مثلاً متولیوں کا ہٹانا، حساب کتاب
کا مطالبہ کرنا وغیرہ اور جو مقدمات اس کے خلاف دائر ہوں
ان کی جوابدہی کرنا۔

(ب) تمام درخواستیں جو دفعہ ۲۰ کے ماتحت رجسٹری کیلئے ہوں اور اوقاف کا حساب جو متولی دفعہ ۲۰ کے ماتحت پیش کریں ان کو انہی کے ساتھ محافظ اوقاف کے پاس بھیج دینا

(ج) متولی دفعہ ۱۱ کے ماتحت جو بجٹ پیش کریں اس پر بحث و مشورہ کرکے اسے پاس کرنا یا مسترد کرنا یا اس میں ترمیم کرنا آخر صورت میں اپنی کارروائی سے مطلع کرنا ضروری ہوگا

(د) تمام مذہبی اور خیراتی مسلم عمارتوں کی حفاظت و نگہداشت کرنا جو کسی متولی کے انتظام نہ ہوں۔

(س) ایسی موقوفہ جائدادیں جن پر ناجائز طور پر دوسروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ ان کی تفتیش کرکے محافظ اوقاف کی منظوری حاصل کرکے عدالتی کارروائی کرنا۔

(ص) محافظ اوقاف سے سفارش کرنا کہ مذہبی وقف کی آمدنی ایسے کاموں میں صرف کی جائے جو کمیٹی کے نزدیک مناسب ہوں۔ بلکہ وقف میں یہ مقاصد نہ شامل ہوں اور یا اس صورت میں کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہو وہ باقی نہ رہے۔

(ض) اگر قبولیت میں یا وقف کی جائداد یا آمدنی وغیرہ کی تبدیلی ہو اس سے محافظ اوقاف کو مطلع کرنا۔

(ط) تمام ان فرائض کو انجام دینا جو محافظ اوقاف کمیٹی کے سپرد کرے اور جو اس وقف کی کسی دفعہ کے خلاف نہ ہوں۔

(ظ) کمیٹی کے کسی یا ایک ممبر یا چند ممبران کو جائداد موقوفہ کا معائنہ کرنے اور متولی کے طریق انتظام کی تحقیق کرنے کیلئے روانہ کرنا۔

(۱) ضلع کی وقف کمیٹیاں دو سب کمیٹیوں میں تقسیم ہونگی ایک سنیوں اور ایک شیعوں کی شیعہ و سنی اوقاف کے بجٹ پہلے انہی سب کمیٹیوں کے سامنے جائیں گے اور اس کے بعد وہ ضلع کی وقف کمیٹی کے سامنے پیش ہونگے

۲- یہ سب کمیٹیاں کم از کم تین ممبروں کی ہونگی اور اگر کسی ضلع میں ایک فرقہ کے تین ممبر ضلع کمیٹی میں نہ ہوں تو اسی فرقہ کے کسی شخص کو ضلع کمیٹی اس کام کے لئے بطور زائد ممبر نامزد کرے گی۔ لیکن یہ ممبر ضلع کمیٹی کا ممبر نہیں ہوگا۔

۳- ہر سب کمیٹی اپنا صدر خود منتخب کرے گی۔

۱۱- اضلاع کی کمیٹیوں اور ان کی سب کمیٹیوں کی مدت ۵ سال کی ہوا کرے گی۔ ضلع کے وقف کمیٹی کے کسی ممبر کو لوکل گورنمنٹ محافظ اوقاف کی اس شکایت پر کہ اس نے اپنے فرائض سے کوتاہی کی یا اپنے اختیارات کو بحیثیت ممبر کمیٹی نے نہایت ناواجب طور پر استعمال کیا کہ اس سے پبلک مفاد کو نقصان پہنچا اس کے عہدہ سے ہٹا سکتی ہے۔

۱۲- ہر متولی کا فرض ہوگا کہ اس قانون کے ماتحت ضلع کی وقف کمیٹی یا محافظ اوقاف جو ہدایت اسے وقف کے بہتر انتظام کے لئے کرے وہ اس پر عمل کرے۔

(الف) اور خصوصاً اس کا فرض ہوگا کہ اپنے زیر انتظام وقف کا مفصل حساب پیش کرے۔

(ب) ۳۱ مارچ سے ایک ماہ کے اندر وقف کا کل حساب اندر کتاب محافظ اوقاف کی ہدایت کے بموجب اور اس کی مقرر کردہ شکل میں ان تمام رقومات کی بابتہ وہ ایک سال کے اندر

وقف کی آمدنی سے خرچ کی گئی ہیں پیش کرے۔

(ج) سال آئندہ کے آمد و خرچ کا حساب بھی مرتب کر کے اس سال کے شروع ہونے سے تین ماہ قبل پیش کرے۔

(۲) آمد و خرچ کی تمام تفصیلات، حسابات اور بیانات جن کا ذکر ماتحت دفعہ میں کیا گیا ہے۔ سنی اور شیعہ سب کمیٹیوں کے ذریعہ ضلع کمیٹیوں کو پیش کیا جائے گا۔ اپنے حسابات کو سمجھانے کے لئے خود متولی یا اس کے ایجنٹ کو بھی کمیٹی میں حاضر ہونا پڑیگا۔

باب دوم

محافظ اوقاف

۱۳ (۱) اس قانون کے نفاذ کے تین ماہ کے اندر لوکل گورنمنٹ بذریعہ گورنمنٹ گزٹ کسی مسلمان کے محافظ اوقاف (محافظ اوقاف) مقرر کئے جانے کا اعلان کریگی اور لوکل گورنمنٹ ہی اس کا صدر مقام مقرر کرے گی۔ محافظ اوقاف کے تقرر سے متعلق تمام باتوں کو لوکل گورنمنٹ طے کرے گی۔

(۲) محافظ اوقاف تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۱ کے مطابق سرکاری ملازم سمجھا جائے گا اور وہ اپنا تمام وقت اپنے عہدہ کے کام میں صرف کرے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی سرکاری یا پبلک عہدہ نہیں رہ سکتا۔ نہ کسی پیشہ کا کام کر سکتا ہے نہ تجارت کر سکتا ہے۔ نہ ٹرسٹی یا متولی ہو سکتا ہے۔ اور نہ کسی وقف کا ممبر ہو سکتا ہے۔

۱۴۔ (۱) محافظ اوقاف حسب ضرورت لوکل گورنمنٹ کی ہدایت اور اس کے مقرر کردہ قواعد ملازمت اور شرح تنخواہ ہر وقف کیلئے سپرنٹنڈنٹ انسپکٹر آڈیٹر اور دیگر ماتحت افسران مقرر کرے گا۔

(۲) تمام اشخاص جو اس طرح مقرر ہوں گے وہ تعزیرات ہند سنہ ۱۸۶۰ء کی دفعہ ۲۱ کے مطابق سرکاری ملازم متصور ہوں گے۔

۱۵۔ (۱) صوبہ متحدہ کے تمام اوقاف کی نگرانی محافظ اوقاف سے متعلق ہوگی اور وہ اس امر کی پوری کوشش و نگرانی کرے گا کہ اوقاف کا بہترین انتظام ہو اور ان کی آمدنی انہی کاموں میں صرف ہو جن کے لئے وہ وقف کی گئی ہے۔

(۲) بشرطیکہ ضمنی دفعہ (۱) کی عام شرائط کے خلاف نہ ہو اور ان قواعد و ضوابط کے ماتحت جو لوکل گورنمنٹ بنائے گی۔ محافظ اوقاف کے فرائض و اختیارات حسب ذیل ہونگے

(الف) صوبہ کے جملہ اوقاف کا صحیح ریکارڈ رکھنا جس میں اس وقف کی تاریخ آمدنی اس کے اغراض اور تمام دیگر متعلقہ امور بالتفصیل درج ہوں۔

(ب) متولیوں کے مرتبہ اوقاف کے ان بجٹ کا منظور کرنا جن کو ضلع کی وقف کمیٹیوں نے پاس کیا ہو۔

(ج) اوقاف کے انتظام کے سلسلہ میں حسب ضرورت عدالتی کارروائیاں کرنا مثلاً متولیوں کا ہٹانا حساب کتاب کا مطالبہ کرنا وغیرہ اور جو مقدمات اس کے خلاف دائر ہوں ان کی جوابدہی کرنا۔

(س) جو موقوفہ جائدادیں ضائع ہو گئی ہیں ان کو واپس حاصل کرنے کی تدابیر اختیار کرنا۔

(ش) جن اوقاف کے اغراض کی کسی دستاویز یا وقف نامہ میں صراحت نہ ہو یا وہ اغراض ختم ہو چکے ہوں جن کے لئے وقف کیا گیا ہو ان کے انتظام اور خرچ کی اسکیم بنانا۔

(ص) حسب ضرورت موقوفہ جائدادوں کا انتظام کرنا۔

(ض) موقوفہ جائدادوں کو جاکر دیکھنا۔

(ط) موقوفہ جائدادوں کی تحقیقات کرنا اور وقتاً فوقتاً اوقاف کے متعلق متولیوں سے حالات و حسابات طلب کرنا اور ان کے بہتر انتظام کے مناسب ہدایتیں دینا۔

(ظ) متولیوں کے پیش کردہ حسابات کو آڈٹ یعنی جانچ کرانا۔

(ع) متولیوں کو ہدایت کرنا کہ وہ وقف کی فاضل رقم کس بنک میں جمع کریں۔ اور کس طور سے اس کے آمد و خرچ کا حساب مرتب کریں۔

(غ) کسی وقف کے متعلق حسب ضرورت باضابطہ تحقیقات کرانا۔

۱۷۔ لوکل گورنمنٹ کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی وقف یا کسی خاص قسم کی موقوفہ جائداد کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دے

۱۸۔ کسی وقف کا متولی محافظ اوقاف کو درخواست بھیج کر جائداد موقوفہ کے انتظام کے سلسلہ میں اس سے کسی مشورہ یا ہدایت کسی امر میں مشورہ یا ہدایت دینا ہوگا۔

۱۹۔ (۱) محافظ اوقاف لوکل گورنمنٹ کی منظوری سے ایک ضلع یا چند اضلاع کیلئے ایک سرکاری متولی مقرر کر سکتا ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص کوئی وقف کرنا چاہے تو وہ محافظ اوقاف کی منظوری سے سرکاری متولی کو اپنی جائداد کا متولی مقرر کر سکتا ہے۔ مگر تنخواہ وغیرہ کے معاملہ میں اپنی شرائط کے ماتحت جو لوکل گورنمنٹ کی اجازت سے محافظ اوقاف معین کرے گا۔

۲۰۔ اگر کسی وقف میں متولی کی جگہ خالی ہو اور وقف نامہ کی رو سے تولیت کا حق کسی شخص کو نہ پہونچتا ہو تو محافظ اوقاف اس صورت سرکاری متولی کو مناسب شرائط پر اس وقف کا متولی مقرر کرے گا۔

باب سوم

اوقاف کی رجسٹری

۲۱۔ (۱) تمام اوقاف کی رجسٹری محافظ اوقاف کے یہاں ہوں گی۔

(۲) رجسٹری کیلئے درخواست وقف متولی کسی یا اور کسی شخص کی طرف سے ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ وقف نامہ کی ایک کاپی ہونا بھی ضروری ہے اور اس درخواست میں ایک بیان تحریری بھی شامل ہو جس میں حسب ذیل امور درج ہوں۔

(الف) جائداد موقوفہ کی ایسی تفصیل جس سے اس کو شناخت کیا جا سکے۔

(ب) جائداد کی کل آمدنی۔

(ج) مالگذاری سرکاری یا دیگر ٹیکس جو جائداد سے دئے جاتے ہوں

(س) وقف کی جائداد کی تحصیل اصول ہیں جبکہ مصارف ہوں۔

(ک) وہ رقم (۱) جو متولی کی تنخواہ و دیگر اشخاص کو گذارا دینے (۲) خالص مذہبی اغراض اور (۳) خیرات کی مد میں صرف ہوتی ہے۔

(ص) مزید امور جن کو محافظ اوقاف معلوم کرنا چاہے۔

(۳) کسی وقف کی رجسٹری موصول ہونے پر محافظ اوقاف اس کی رجسٹری کرنے سے قبل اگر مناسب سمجھے تو اس کے متعلق تحقیقات کرے گا کہ یہ درخواست جائز اور بھی ہے یا نہیں اور اس کے ساتھ جو بیان تحریری شامل ہے اس میں امور درج ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں اور اگر درخواست مالک جائداد کے سوا کسی اور شخص کی طرف سے جس کے قبضہ میں وقف کی جائداد نہیں ہے تو محافظ اوقاف اس شخص کو نوٹس دیگا جس کے قبضہ میں جائداد ہے اور اس کے بیان کی سماعت ہوگی۔

(۴) رجسٹریشن کیلئے خواہ محافظ اوقاف کے دفتر میں درخواست دیجائے یا ضلع وقف کمیٹی کے دفتر میں اگر ضلع وقف کمیٹی کے دفتر میں درخواست دیجائے تو کمیٹی کی طرف سے مع ان تمام تحریروں کے جو اس درخواست میں شامل ہوں وہ محافظ اوقاف کو بھیجدی جائے گی۔

۲۱- محافظ اوقاف کو اپنے صوبہ کے جملہ اوقاف کا رجسٹر رکھنا ہوگا جس میں حسب ذیل امور ہوں گے۔ اور اسی کے ساتھ وقف اسکی نقول بھی شامل ہوں گی۔ اور اگر دستیاب ہوسکیں۔

(الف) ٹرسٹیوں یا متولیوں اور اس وقف کے انتظام سے متعلق اشخاص کے نام۔

(ب) ٹرسٹی یا متولی کے تقرر کا قاعدہ (بشرطیکہ کوئی قاعدہ ہو) جو وقف نامہ یا وہاں کے رسم و رواج کے مطابق ہو۔

(ج) کس صورت سے وقف کا انتظام ہوتا ہے اور جس وقت سے اس کی رجسٹری ہوئی اس وقت اس کے انتظام میں کس قدر صرف ہوتا تھا۔

(س) تمام اوقاف کے حالات اور ان کی دستاویزیں اور دیگر تحریریں اس وقف کے متعلق۔

(ص) دیگر ضروری امور جن کی لوکل گورنمنٹ ہدایت کرے۔

باب چہارم

حسابات کی جانچ

۲۲-(۱) محافظ اوقاف کے دفتر میں جو حسابات رہیں گے اور جو حسابات متولی داخل کریں گے دفعہ ۱۲(۱) (ب) کے ماتحت ان کی سالانہ یا جب محافظ اوقاف مناسب سمجھیں جانچ ہوا کرے گی (آڈٹ ہونگے) یا ان آڈیٹروں کا تقرر دفعہ ۱۴ کے مطابق ہوا کرے گا۔

(۲) آڈیٹر اپنی رپورٹ محافظ اوقاف کے حسابات کے متعلق لوکل گورنمنٹ کو پیش کرے گا۔

(۳) اوقاف کے حسابات کی رپورٹ محافظ اوقاف کے یہاں پیش کرے گا۔

(۴) آڈیٹر اپنی رپورٹ میں منجملہ دیگر باتوں کے تمام مدعوا یون وبے ضابطگیوں الٹا واجب وناواجب وناجائز مصارف

عدم وصولی بقایات جو متولی کی نالائقی یا بدچلنی سے موقوفہ جائداد کو جو نقصان پہونچے اس کو بھی درج کرے گا۔

بابِ پنجم

تحقیقات اور نگرانی

۲۳- دفعہ ۲۰ کے ماتحت جو بیان داخل کیا جائے اس کے مندرجہ امور کی تصدیق کے لئے یا آڈیٹر کی رپورٹ کی بنا پر جو دفعہ ۲۲ کے ماتحت داخل ہوگی۔ محافظ اوقاف کسی معاملہ کے متعلق یا تو خود تحقیقات کر سکتا ہے یا اپنے ماتحت کسی افسر کو یا ضلع کی کمیٹی کو تحقیقات سپرد کر سکتا ہے۔

۲۴- کوئی شخص جو کسی وقف سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک درخواست مع اپنے بیان حلفی کے محافظ اوقاف کو دیکر اس کے انتظام کے متعلق تحقیقات کرا سکتا ہے اور اس کے بعد محافظ اوقاف جو کارروائی مناسب سمجھے اس پر عمل کرے۔

۲۵- اس باب کے ماتحت تحقیقات کیلئے محکمہ اوقاف کے افسر یا وقف کمیٹی جن لوگوں کی حاضری اور شہادت لینا چاہے وہ اس طرح لے سکتی ہے جس طرح عدالتیں ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء کے ماتحت لے سکتی ہیں۔

بابِ ششم

عدالتی کارروائی

۲۶- (۱) خواہ دفعہ ۹۲ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء یا کسی اور مروجہ قانون میں کچھ بھی درج ہو۔ محافظ اوقاف کو حق ہوگا کہ وہ عدالت [illegible] سرمایہ کے صرفہ کے متعلق ہدایات حاصل کرے جب وقف نامہ کے دفعات کے ماتحت واقف کے حسب منشاء عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ یا جہاں وقف نامہ کا مفہوم صاف نہ ہو وہاں وہ عدالت کی تجویز حاصل کرے گا اور تمام حالات پر نظر کر کے عدالت اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ کن صورتوں سے واقف کے حقیقی منشاء کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ عدالت کے فیصلہ سے جائداد موقوفہ کی آمدنی کے اس تناسب میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو جو اوقاف ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۱ میں یا کسی اور مذہبی و غیر مذہبی مقاصد کے مروجہ قانون میں درج ہو۔

۲- عدالتی تجاویز جو بماتحت دفعہ (۱) کے مطابق صادر ہوں گی۔ وہ ہر حیثیت سے قطعی اور فیصلہ کن ہونگی اور کسی دوسری عدالت میں ان تجاویز کے خلاف اپیل پیش ہو سکے گی۔

۲۷- کسی مروجہ قانون کے ماتحت بھی کوئی دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔ جس کی سماعت اس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے۔

۲۸- محافظ اوقاف کی کسی کارروائی یا حکم کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں ہو سکے گی اور قانون کے ماتحت محافظ اوقاف کی کسی کارروائی کے خلاف کوئی مقدمہ اس کے خلاف نہیں چلایا جا سکتا۔

اوقاف کے نظم و نسق کے مصارف

۲۹۔(۱) ہر ملک وقف اس قانون کے عملدرآمد میں جو مصارف ہوں گے اس لئے اپنی سالانہ میں سے زیادہ سے زیادہ پانچ فی صدی یا جو رقم محافظ اوقاف لوکل گورنمنٹ کی منظوری سے تجویز کرے وہ ادا کرے گا

(۲) محافظ اوقاف اگر مناسب سمجھے تو کسی ایک یا کسی اوقاف کی رقومات واجب الادا کو معاف یا کم کر سکتا ہے۔

(۳) یہ رقومات واجب الادا سالانہ ٹیکس سب سے پہلے وقف کی آمدنی سے وصول کی جائے گی اور بقایا رقم بذریعہ عدالت محافظ اوقاف کی دستخطی درخواست پر عدالت بذریعہ ڈگری وصول کر سکتی ہے

(۴) اگر کوئی متولی یا کوئی شخص جو وقف کا منتظم ہو وقف کی آمدنی وصول کرنے کے بعد ٹیکس ادا نہیں کرتا۔ حالانکہ اس کی تحصیل وصول اتنی ہوئی ہے کہ اس رقم کو ادا کر سکتا ہے۔ تو وہ ذاتی طور پر اس رقم کے ادا کرنے کا مجاز ہوگا اور سرکاری واجبات مذکورہ بالا طریقہ سے وصول کیا جائیگا۔

۳۰۔ محافظ اوقاف کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ لوکل گورنمنٹ کی اجازت سے اس قانون پر عملدرآمد کرنے کے لئے ایسی شرائط پر قرضہ حاصل کرے جو لوکل گورنمنٹ تجویز کرے۔

باب ہشتم

سزائیں

۳۱۔(۱) اگر کوئی متولی بغیر کسی معقول وجہ کے جس کا ثبوت اسے دینا ہوگا۔

(الف) دفعہ ۲۰ کے ماتحت کسی وقف کی رجسٹری کیلئے درخواست نہیں دیتا۔

(ب) وقف کے متعلق سالانہ رپورٹ یا حساب کتاب کا نقشہ داخل نہیں کرتا۔ جیسا کہ اس قانون کے ماتحت اس کو کرنا چاہئے

(ج) محافظ اوقاف کو صحیح امور و حالات کی اطلاع نہیں دیتا

(د) جائداد موقوفہ اور اس سے متعلق کاغذات کا معائنہ نہیں کراتا۔

(س) وقف کے متعلق کسی تحقیقات کے سلسلہ میں محافظ اوقاف یا ضلع کی وقف کمیٹیوں یا سپرنٹنڈنٹوں آڈیٹروں کو جو محافظ اوقاف کے حکم کے مطابق کام کر رہے ہوں مدد دینے سے انکار کرے۔

(ص) محافظ اوقاف یا عدالت کے فیصلہ کے حکم کے باوجو موقوفہ جائداد حوالہ نہ کرے۔

(ض) محافظ اوقاف کی ہدایت کے باوجود وقف کی فاضل رقم کسی مستند بنک میں جمع نہ کرے

ان تمام صورتوں میں اس کی سزا یہ ہوگی کہ وہ اپنے عہدہ سے ہٹا دیا جائے اور عدالتی کاروائی کی صورت

میں ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ اس کو پہلی بار ڈھائی سو روپیہ تک اور اس کے بعد ہر ارتکاب جرم پر ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کر سکتا ہے۔

(۲) کوئی مجسٹریٹ بغیر محافظ اوقاف کی درخواست کے از خود ماتحت دفعہ (۱) کے مطابق کسی متولی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔

باب نہم

متفرقات

۴۲ (۱) لوکل گورنمنٹ اس قانون کے ماتحت ایسے قواعد و ضوابط بنائے گی جن سے اس قانون پر عملدرآمد ہو سکے۔

(۲) لوکل گورنمنٹ حسب ذیل امور کے ماتحت محافظ اوقاف اور اضلاع کی وقف کمیٹیوں کو کرنا چاہئے۔

(ب) رخصتیں دینا۔ رخصتوں کے الاونس یا سفر خرچ محافظ اوقاف اور صیغہ وقف کے دیگر ملازمین کیلئے

(ج) بجٹ، رپورٹ، حسابات، آمدنی جو محافظ اوقاف لوکل گورنمنٹ پیش کرے۔

(س) وقف فنڈ کو خرچ کرنا یا کسی تجارت میں لگانا۔

(ر) رجسٹر اور کتابیں جو محافظ اوقاف اور اضلاع کی کمیٹیوں کے دفتروں میں رکھنا ہونگی۔

(س) جس طریقے سے اوقاف کی آمدنی کو جانچا جائے اور اس کو شائع کیا جائے کس وقت جانچ کی جائے

اور کہاں کی جائے اور آڈیٹر کی رپورٹ کس صورت میں مرتب ہو اور اس میں کیا کیا باتیں درج ہوں۔

(ض) سرکاری واجبات (ٹیکس) کے وصول کرنے کیلئے کس اصول پر وقف کی آمدنی کا تخمینہ کیا جائے۔

(ط) فیس کی رقم جو ان درخواستوں پر لی جائے جو محافظ اوقاف یا اضلاع کی وقف کمیٹیوں اور ان کی ماتحت کمیٹیوں کے سامنے اس قانون کے ماتحت پیش ہوں یا اور کسی دستاویز یا تحریر کی نقل لینے پر۔

(ظ) اس قانون کے نفاذ کے سلسلہ میں تمام کارروائیاں جس طریقہ سے انجام دی جائیں۔

(۳) اس دفعہ کے ماتحت جس قدر قواعد و ضوابط بنیں گے وہ سب سرکاری گزٹ میں شائع کر دیے جائیں گے۔

۴۳ - محافظ اوقاف اپنا اطمینان کرے اگر چاہے تو کسی امر کی انجام دہی میں وقت کی توسیع کر سکتا ہے۔

۴۴ - اگر وقف کے متعلق یہ امر متنازعہ ہو وہ کل جائداد اس قانون کے مطابق وقف میں شامل ہے یا اس کا کچھ حصہ تو اس کا فیصلہ عدالت کرے گی۔

۴۵ - بغیر محافظ اوقاف کی منظوری کے کسی عدالتی کارروائی یا کسی مقدمہ میں جو متولی کی طرف سے ہو یا اس کے خلاف ہو راضی نامہ نہیں ہو سکتا۔

۴۶ - [illegible] اور ۳۱ کے ماتحت وصول ہوں گی یا دفعہ ۳۰ کے ماتحت قرض لی جائیں گی۔ جملہ رقم جو فیس یا [illegible]

ان کارروائیوں کے سلسلہ میں جو محافظ اوقاف یا ضلع کی کمیٹیوں کے روبرو ہوں گی وصول ہونگی اور تمام جو رقمیں پس انداز ہوئی ہوں یا اوقاف کی آمدنی سے جمع ہوئی ہوں وہ وقف فنڈ صوبہ متحدہ کے نام سے جمع ہوں گی۔ یہ فنڈ محافظ اوقاف کے زیر انتظام ہوگا جس کی گورنمنٹ نگرانی کرے گی اور محافظ اوقاف اس میں سے کوئی رقم لوکل گورنمنٹ کی منظوری سے مسلمانوں کی تعلیم یا صوبہ متحدہ کے مسلمانوں کی عام بہبود کے کاموں میں صرف کرسکتا ہے۔

علمی ادبی ماہانہ رسالہ

جاوید

شائع ہوگیا

اگر آپ کا ذوق سلیم ایسے رسالوں کے مطالعہ سے مجروح ہوتا ہے جن میں سطحی مضامین حیا سوز افسانے مخرب اخلاق ڈرامے اور عریاں نظمیں شائع ہوتی ہیں اور اگر آپ کسی ایسے رسالہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جس کے علمی، ادبی، تاریخی، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی مضامین ٹھوس اور محققانہ ہوں جو اہل ملک کی ذہنی اور اخلاقی حالت درست کرسکے اور جس میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ کافی دلچسپی بھی موجود ہو اور جو آپ کے علمی و ادبی ذوق کے مطابق ہو تو ۵ کے ٹکٹ بھیج کر آج ہی جاوید کا نمونہ طلب فرمائیے اور نمونہ دیکھ کر خریداری کے متعلق کوئی فیصلہ کیجئے۔ جاوید کی مجلس ادارہ ملک کے مایہ ناز اہل علم اور ارباب قلم حضرات پر مشتمل ہے امید ہے کہ جاوید کو آپ اپنی توقع سے بہت زیادہ پائیں

قیمت سالانہ — تین روپے　　ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ　　فی پرچہ ۵

مہتمم رسالہ جاوید دہلی

ضمیمہ "ایوان ادب"

مطبوعاتِ

ایوان اشاعت

شوپنہار مصنفہ احمد صدیق مجنوں ۔ بی ۔ اے جس میں جرمنی کے مشہور شاعر فلسفی کے حالات زندگی مابعد الطبیعات اخلاقیات، جمالیات، یعنی نظریہ حسن اور فلسفہ شاعری پر نہایت دلپذیر اور موثر پیرایہ میں تبصرہ کیا گیا ہے ۔ شروع میں "شوپنہار" کی تصویر بھی ہے ۔ جلد سنہری ۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے

مثنوی زہر عشق مصنفہ مرزا شوق لکھنوی ۔ مرتبہ مجنوں گورکھپوری ۔ یہ وہی مثنوی ہے جس کو پڑھنے والے نہ جانے کتنی بار پڑھ پڑھ کر خون کے آنسو رو چکے ہوں گے اب تک نہایت ردی صورت میں چھپتی رہی ۔ لیکن اب ایوان اشاعت نے اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے ۔ چار اردو کے مشہور اہل قلم نے اس پر بہترین تنقیدیں لکھی ہیں جو اس کتاب میں شامل ہیں اور جن میں بتایا گیا ہے کہ مثنوی زہر عشق کو اردو زبان میں کیا مرتبہ حاصل ہے ۔ بہترین تصویریں ہیں جن کو دیکھ کر دل پر وہی اثر ہوتا ہے جو مثنوی کے پڑھنے سے ہوتا ہے ۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نفیس جلد خوبصورت فی جلد صرف ایک روپیہ آٹھ آنے عہ

ہندوستان کی بہادر عورتیں اس کتاب میں ہندوستان کی مشہور مستند تاریخی کتابوں سے مدد لے کر ہندوستان کی ان بہادر خواتین کے حالات جمع کئے گئے ہیں جنھوں نے اپنی اور اپنے ملک کی عزت کیلئے اپنی جان کو جان نہیں سمجھا اور مردانہ جاں نثاری کے نمونے پیش کئے طلبا اور عورتوں کے لئے خاص کر دلچسپ اور مفید ہے قیمت غیر مجلد فی جلد آٹھ آنے ۔

سالومی مترجمہ مجنوں گورکھپوری ۔ یہ آئرلینڈ کے شہرہ آفاق تمثیل نگار آسکر وائلڈ کے ڈرامے

کا اردو ترجمہ ہے۔ اس ڈراما کے ترجمے دنیا کی قریب قریب ہر زبان میں ہو گئے اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جرمنی میں متواتر دو سو راتوں تک کھیلا جاتا رہا لوگوں کا بدستور قائم تھا۔ آخر کار حکومت جرمنی نے اس کو کھیلنے کی ممانعت کر دی اردو میں اس کا ترجمہ بڑے سلیقہ اور خوش اسلوبی کے ساتھ کیا گیا اور "اسکر وائلڈ" کی تمام ادبی خصوصیات کو قائم رکھا گیا ہے صرف چند جلدیں باقی رہ گئی ہیں قیمت غیر مجلد ۱۲؍

مطالبہ فطرت

مصنفہ مولوی محمد فاروق صاحب ایم، ایس۔ سی اردو میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ مذہب اور حکومت و فلسفہ میں دراصل کوئی منافقت نہیں ہے۔ کتاب بڑی قابلیت کے ساتھ لکھی گئی اور ادق سے ادق مسئلہ بڑی خوبی کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ قیمت مجلد غیر منقش صرف ایک روپیہ اس کی بہت کم جلدیں رہ گئی ہیں۔

خواب و خیال

حضرت مجنوں گورکھپوری کے چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ افسانوں کا مجموعہ ایوان اشاعت گورکھپور کی طرف سے شائع ہوا ہے شروع میں مصنف کی تصویر ہے ایک دلچسپ اور بسوط مقدمہ بھی شامل ہے جو بجائے خود ایک افسانہ ہے۔ چھپ کر تیار ہے قیمت فی جلد غیر مجلد صرف دو روپیہ۔ عہ؍

مثنوی حسن فطرت

منشی گورکھ پرشاد عبرت مرحوم ایک خوش مذاق اور خوش بیان شاعر تھے جو شہرت اور خود نمائی سے بے نیاز تھے ان کی غزلیں اور نظمیں کبھی کبھی رسالوں اور اخباروں میں نکلی ہیں ان کے کلام کا بیشتر حصہ غیر مطبوعہ ہے انھوں نے حسن فطرت کے نام سے ایک عشقیہ ناول لکھی ہے جو اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی تمثیلی مثنوی ہے۔ زبان کی سلاست اور پختگی الفاظ کی تلاش تشبیہات و استعارات کی ندرت اور بے ساختگی اور پڑھنے والوں کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ اب تک یہ مثنوی غیر مطبوعہ تھی۔ اب "ایوان" اس کو بڑے اہتمام سے دلچسپ مقدمہ کے شائع کر رہا ہے قیمت فی جلد غیر مجلد صرف ۱۲؍

انتخاب دیوان شمس تبریز

مرتبہ جناب عبدالمالک آروی

ایوان اشاعت کے نئے سال کی پہلی کتاب مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر نکلسن کی معرکۃ الآرا تصنیف کی تلخیص مع تنقید و تحشیہ، تصوف اسلام بالخصوص مولانائے رومی کے تصوف پر نہایت فاضلانہ سنجیدہ اور مدلل محاکمہ لکھائی چھپائی بہترین کاغذ نفیس مع ڈاکٹر نکلسن کی تصویر۔ قیمت غیر مجلد عہ؍ علاوہ محصولڈاک مجلد سے؍ تین روپیہ مع محصول ڈاک۔

سنگھاسن بتیسی

ہندوستان کی قدیم اخلاقی کتاب

نئی زبان اور نئے پیرایہ میں راجبکرماجیت کے فضائل کی داستانیں سلیس اور عام فہم زبان میں تاکہ بچے اور بوڑھے دونوں دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکیں۔ مرتبہ مجنوں گورکھپوری قیمت عہ (زیر طبع)

البدر مصنفہ علامہ عصر حضرت مولانا مولوی عبدالواسع صاحب عثمانی اصول روایت اور درایت اور فلسفہ تاریخ کی رو سے حقیقی اسباب غزوہ بدر تحقیق اور اس کے متعلق محققوں کے بیانات پر مدلل تنقید و تبصرہ قیمت عہ

سیرت نبوی اور مستشرقین مرتبہ مولوی عبدالعلیم احراری بی، اے آنرز (جامع) مشہور مستشرق دلہا وزن کے معرکۃ الآرا مضمون کا اردو کا ترجمہ مع حواشی اور مقدمہ قیمت عہ

دیوان حفیظ جناب حفیظ جونپوری حضرت امیر مینائی کے ممتاز شاگردوں میں اور ان کی شاعری تاریخ ادب اردو میں ایک خاص مرتبہ رکھتی ان کے کلام میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جن کی بدولت کسی شاعر کا کلام عوام میں مقبول ہو کر زندہ جاوید ہوتا ہے۔ معاملہ بندی، واقعات نگاری، ادا بندی، محاکات جذبات۔ درد و یاس کا موثر اسلوب میں اظہار یہ سب باتیں ہیں جو ان کی ایک ایک غزل اور ایک ایک شعر کی جان ہیں۔ ان کا دیوان دو ضخیم جلدوں میں ہے کتابت طباعت اور کاغذ وغیرہ نفیس اور دیدہ زیب کم جلدیں رہ گئی ہیں آرڈر بھیجنے میں دیر نہ کیجیے قیمت جلد اول عہ جلد دوم عہ علاوہ محصولڈاک۔

تلاش حق جلد اول و دو مہاتما گاندھی کی آپ بیتی EXPERIMENTS WITH TRUTH MY کا اردو ترجمہ گاندھی جی کی زندگی سے صحیح واقفیت کیلئے ضروری ہے کہ ان کے تجربات زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔ کتاب خود نوشت ہے اور اس کی ضخامت ... صفحات سے زیادہ ہے۔ قیمت فی جلد عہ مکمل عہ

آزادی جان اسٹورٹ مل کی کتاب LIBERTY کا ترجمہ از سعید انصاری بی اے قیمت عہ

انتخاب میر میر تقی میر کے کلام کا بہترین انتخاب از نور الہدیٰ بی اے مع مقدمہ قیمت عہ

انتخاب سودا سودا کے کلام کا ایک اچھا انتخاب از ابو محمد ثاقب کانپوری قیمت عہ

انتخاب حسرت مولانا حسرت موہانی کے کلام کا نچوڑ از خلیل احمد قدوائی قیمت عہ

گناہ کی دیوار مصنفہ اشتیاق حسین قریشی صاحب ایم اے۔ گناہ بری چیز ہے لیکن فساد قلب اور تکبر بدتر ہیں۔ گناہ کی دیوار شاید ٹوٹ سکتی ہے لیکن قساوت قلب اور تکبر کے بتوں کو توڑنا بہت دشوار ہے یہ ایک باعصمت خاتون کا قصہ ہے جسے کچھ عرصہ تک

جذبات الاصفیا

و

جذبات روح

دو کتابوں کا نادر مجموعہ جذبات الاصفیا میں چالیس سے زیادہ عرفا و علما اور علمائے

اسلام کا مقدس کلام ہے جس کو مولانا حکیم محمد اصغر صاحب پروفیسر فارسی سینٹ اینڈریوز

کالج گورکھپور نے بڑی محنت سے مرتب کیا ہے جسکی خوبی دیکھنے پر منحصر ہے اور جذبات روح میں خود

پروفیسر صاحب موصوف کا متفرق کلام ہے جس میں نالۂ دل، نالۂ غم، سلام اور قصیدے اور فارسی و اردو کی غزلیں ہیں جس سے

شائقین لطف اٹھائیں گے۔ **منیجر ایوان اشاعت گورکھپور**

گردش روزگار

عبدالقیوم صاحب رسا کا بہترین دردناک افسانہ جسکو پڑھ کر انسان کی ہچکیاں بندھ جائیں

درد و غم رنج و مصیبت حق کی مظلومیت عشق و محبت کی خونچکاں داستان ایسی دلآویز اور موثر زبان

[illegible] صفحات کا حجم ۵۰ صفحے اسکا منذ طباعت ۴